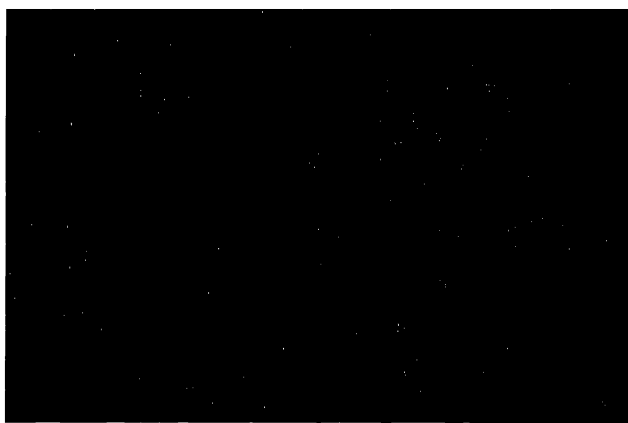


نذرِ عقیدت

یعنی

مدیحِ ہز اگزالٹڈ ہائی نس آصف جاہ سابع
سُلطان العُلوم خسروِ دکن صانہا اللہ عن الفتن

گزرانیدۂ

محوی

سنہ ۱۳۳۳ ہجری

تبصرہ

از جناب مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن خاں نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی

ایک وقت تھا کہ شیراز اور اصفہان کی بادبہاری فلک نما پہاڑوں کو طے کر کے ہندوستان کے میدانوں کو بھی رشک گلزار بناتی تھی۔ یہ بہاریں صدیوں تک آتی اور ہندوستان کو چمنستان بناتی رہیں۔ یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے۔

لوگ کہیں گے گل و بلبل، شمع و پروانہ کے افسانے میں کیا رکھا تھا۔ یہ وہ کہیں گے جو حقیقت سے بیگانہ ہیں، واقعات سے نا آشنا ع

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ادب فارسی نے اہل ہند کے دل و دماغ کے شگفتہ کرنے اور معاملہ فہم اور حقیقت سنج بنانے میں جو حصہ لیا (اور بہت بڑا حصہ لیا) اُس کے آثار شکر ہے اب بھی بہت کچھ باقی ہیں۔ عمارتوں میں تاج گنج، دلّی کی جامع مسجد مثالاً لو، صنعت و حرفت میں کشمیر کی شال لو۔ ڈھاکہ کی ململ لو۔ معاملہ فہمی میں ٹوڈرمل اور ابوالفضل کو لو۔ بالآخر سب کا مجموعہ شاہانِ تیموریہ کو لو۔ وہ سب کے سب فارسی ادب کے فیض یافتہ تھے جن کی ممنونِ ایجاد یہ عمارتیں، یہ صنعتیں اور

اراضی کے بندوبست وغیرہ بیسیوں ترقی انسانی کے سرچشمے تھے۔

شیر شاہ جس نے اپنی جہاں بانی کی قوت سے ایک عالم کو حیرت میں ڈالا ہے اس کے مورخ لکھتے ہیں کہ گلستاں اور بوستاں کی اکثر حکایتیں اس کو ازبر تھیں اور اس کی خلوت و جلوت اور رزم و بزم کی رفیق و رہنما۔

آج کشمیر کی بہاریں دنیا کو کھینچ رہی ہیں۔ گوناگوں نفعے اس سے حاصل کئے جارہے ہیں۔ تاریخ دیکھو۔ سارا کرشمہ فارسی ادب کے فیض کا ہے۔ چالیس برس کی مسلسل محنت میں سلطان زین العابدین نے کشمیر کو کشمیر بنایا۔ وہ فیض لایا تھا سمرقند و بخارا سے۔ اس کے بعد شاہانِ مغلیہ نے اس کو سنوارا۔

اس کو یاد رکھنا کہ فارسی کی پشت و پناہ عربی تھی وہاں سے فیض لے کر فارسی دنیا کو فیض پہنچاتی رہی۔

آج انگلستان جو اہتمام مولانائے رومیؒ کی مثنوی کی اشاعت کا کر رہا ہے وہ زندہ مثال فارسی ادب کے فیض کی ہے۔

فارسی ادب کی حیات بخشی کا نادر ثبوت وہ فضا ہے جو اس ادب کی فیض باری سے سرزمین ہند میں پیدا ہوئی۔ اس فضا کی روح پروری میں سارے مذہبی اور فرقہ واری اختلاف صلح و محبت سے بدل گئے۔ ہندو مسلمان، شیعہ سنّی سب کے سب ایک رنگ میں رنگ گئے۔ رنگ پوڈر کا نہیں، محبّت اور یک جہتی کا۔ گجراتی، مرہٹی، ہندی بنگالی، گرمکھی وغیرہ جس زبان کو لو گے ادب فارسی کی گرمی سے اس کی نبض میں جنبش پاؤ گے۔ آج کل کی تصانیف نہیں اُس زمانے کی تصانیف پڑھو اس رنگ بلکہ بے رنگی کا واضح ثبوت پاؤ گے۔

عارف رومیؒ کی دو بیتیں بر سبیلِ تنزل یہاں سبق آموز ہوں گی ؎

چوں کہ بے رنگی اسیرِ رنگ شد　　موسیٰ و فرعون اندر جنگ شد

چوں بہ بے رنگی رسی کاں داشتی　　موسیٰ و فرعون دارند آشتی

حال و ماضی پر نظر ڈال کر یہ شعر مکرر پڑھو۔ مرقعِ عبرت نگاہ کے سامنے پھر جائے گا۔ افسوس کہ دیکھتے دیکھتے اس بہار پر خزاں آگئی۔ وہ فضا مٹ گئی۔ آج بھی خاقانی و انوری کا درس ہے مگر مندرس، مٹا ہوا برائے نام (بلکہ نام کو نہیں) کیوں؟ ادبی فضا نہیں۔ نتیجہ آنکھوں کے سامنے۔ جو لوگ زمانہ حال کو بنا گئے اُن کو آنکھیں ڈھونڈتی ہیں، نہیں پاتیں۔ راجہ رام موہن رائے، پنڈت اجودھیا ناتھ، سر سید احمد خاں، محسن الملک اور وقار الملک آج کہاں ہیں اور اُن کے نہ ہونے کو ملک کس شدت سے محسوس کر رہا ہے۔؟

اس بے کیفی کی تاریکی میں اگر کسی طرف سے روشنی آجائے تو اوّل حیرت اُس کے بعد مسرت ہوتی ہے۔

یقین کیجئے کہ جب مولوی مسعود علی صاحب محوی میرے مکرم کا خط آیا کہ فارسی کلام اُن کا طبع ہوا ہے اور اُس کا نسخہ میرے پاس آئے گا تو مجھکو بھی اوّل حیرت اُس کے بعد مسرت ہوئی۔ حیرت اس پر کہ اب بھی زبان و قلم پر فارسی کے الفاظ آتے ہیں۔ مسرت اس پر کہ ابھی کچھ چنگاریاں باقی ہیں، کیا عجب کہ کسی روز بھڑک اُٹھیں، دلوں کو گرما دیں، خرمنِ جنگ و جدل کو پھونک دیں۔

اس مجموعے کا نام "نذر عقیدت" ہے۔ اُس کی نسبت چند لفظ عرض کرتا ہوں۔

اس کا افسوس ہے کہ جہاں استادانِ سلف کی ادبی روش میں جناب محوی محو ہیں

وہاں اسلاف کلام میں بھی اُن کے قدم بہ قدم چلنا پسند کیا ہے۔ عرفی نے ایک مجموعہ کھویا تھا تو یہ بھی کھو بیٹھے۔ نقصان یہ ہوا کہ غزل سے کلام خالی ہے۔ صدہا برس سے فارسی کا سرمایۂ ناز غزل ہے جس کو متاخّرین کی نکتہ سنجی اور سحر آفرینی نے سحر حلال کا مرتبہ بخشا ہے۔ تصوف کی آمیزش نے اُس کو مثنوی و قصیدے کی صف میں جا بٹھایا ہے۔ صرف قطعات و قصاید اس مجموعے میں ہیں۔ اُن کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اہل زبان کے انداز بیان اور طرز سخن کا گہرا مطالعہ شاعر نے کیا ہے اور اس لئے فارسی ادب کا لطف اس کلام کو پڑھکر حاصل ہوتا ہے۔

ایک خوش قسمتی محوؔی کی قابل رشک ہے۔ اُن کو مواقع ایسے ملے کہ جنھوں نے اُن کے کلام میں زندگی کی قوّت اور واقعیت کی روح پھونک دی۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں عہد عثمانی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ اُن کو نصیب ہوا اور متواتر ایسے موقعے آتے رہے کہ جو ادب فارسی کے فروغ کے لئے مناسب بلکہ ہنگامہ گرم کن تھے۔ محوؔی نے ہر موقع کے مناسب نظم ادیبانہ روش سے لکھی۔ خوبی یہ کہ مبالغہ کی پرواز سے عدم آباد نہیں بسایا' بلکہ اسی دنیا میں رہ کر وہ واقعات نظم کئے جن کی حقیقی شان اور رفعت مبالغہ کی محتاج نہ تھی اور اپنے زور طبیعت اور لطف بیان سے مبالغہ سے زیادہ دل کشی پیدا کی۔ روانی، تاثیر اور بلاغت کے نمونے دکھائے۔

آخر میں اُس یک رنگی کو پھر یاد کرو' جس کی داستان میں نے آغاز کلام میں چھیڑی تھی اور محوؔی کا یہ فقرہ پڑھو اور میرے بیان کی تصدیق کرو۔

"اگر اعلیٰ حضرت خداوند نعمت بندگان عالی متعالی میر سر عثمان علی خاں آصف ہفتم خلد اللہ عمرہٗ و سلطنتہٗ سے خسروِ اقلیم سخن کی نظر تربیت و اصلاح

اور عالی جناب سر مہاراجہ کرشن پرشاد یمین السلطنتہ دام اقبالہٗ سے
کہنہ مشق سخن گو اور سخن شناس کی دل افزائیوں کا اضافہ کرلیا جائے
تو میرے مختصر سرمایۂ استعداد کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔"

آخر میں دعا ہے کہ محوی کی محنت بارآور رہو۔ اُن کے کلام کی اہلِ ملک قدر کریں اور اس سے فیضِ یک جہتی حاصل' جس کا ملک آج اُسی طرح محتاج ہے جس طرح پیاسا پانی کا' بھوکا روٹی کا۔

ع یعنی اگلے ہمدموں کے فیض صحت پر ۱۲ شروانی

محمد حبیب الرحمٰن خاں
(صدر یار جنگ)

حبیب گنج
۱۳ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۲ھ

تبصرہ

از جناب علاّمہ محمد عبداللہ العمادی مدظلّہ العالی رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبوتِ شعر میں ایک "نسیب" ہے جسے عجمیت کے شباب نے "تشبیب" بنا دیا۔
ایک "مخلص" ہے کہ عرصہ ادب میں فن کی گریزپائی دیکھتے دیکھتے "گریز" کر گیا۔
ایک " مدح " ہے کہ اچھے کاموں کی ترغیب دلائے۔
آخر میں دعا ہے کہ صلاح و فلاح کی اللہ توفیق دے اور مکروہات سے بچائے۔
نسیب میں وہی عجمی پیشرو ہوئے جن کے قدم دائرۂ امکان سے آگے بڑھ چلے۔
کمال اسمٰعیل کو "خلاق معانی" کہتے ہیں، انھوں نے آفتاب سے تشبیب کی ہے کہ یہ ایک صابون کی ٹکیا اور گرم پانی کا طشت ہے کہ رات کی تاریکی اس سے دُھل جائے ؎

قرصِ صابون ست پنداری وطشتِ آبِ گرم
تا بداں گردوں فروشوید ززلفِ شب خضاب

آنکھ کے ایک پردہ کو عنکبوتی کہتے ہیں اور اصطرلاب میں بھی عنکبوت ہے، اس پر مضمون کا جالا تنتے ہیں ؎

مانندِ عنکبوتِ سطرلاب رخنہ شد　　اطباقِ عنکبوتیِ ایں دیدۂ خراب

لطف مخلص کی بندش سے تو عجمیت نے گویا خلاصی ہی حاصل کرلی۔

مدح میں فرض کرتے ہیں کہ ممدوح کا نیزہ اتنا بلند ہے کہ آسمان کو چھولیتا ہے، بالفرض دشمن بھی اونچا ہو تو کیا ہوا؟ نیزہ ہی کی طرح لرزتا رہے گا ؎

گرچو رُمحِ تو برد دشمنِ تو سر بفلک　　استخوانہاش ہم از بیمِ تو لرزاں باشد

حیاتِ دوام کی دعا کرتے ہیں، اس لئے کہ شاعر کی رائے میں تمام دنیا ممدوح ہی کے اشاروں پر چل رہی ہے ؎

جاوید زی کہ وضعِ فلک دَورِ روزگار　　چوناں کہ رفت اشارتِ تو ہمچناں نہاد

اب مولانا محوی کا علوِّ مقام دیکھئے کہ سبقت کا جو مضمار ہے، مسابقت کا جو مقام ہے، سب میں سابق اُن کا کلام ہے۔

نسیب میں فرماتے ہیں :؎

غیرِ انساں نیز در بازارِ عالم جنسہاست　　گرمیِ بازار لیکن سبب ایں یک تن ست

اے سزاوارِ شرف دستے برآر از آستیں　　تا شود پیدا کہ مردے اندریں پیراہن ست

خانخاناں کی زمینِ سخن کو شاداب کرتے ہیں :؎

بدوست یا دندارم مراچہ پیوند ست　　جز ایں دو حرف کہ من بندہ او خداوند ست

زمنکراں نہ ہراسم کہ بر محبتِ من　　نگاہ شوق گواہ ست واشک سوگند ست

"آیات اولی الالباب" کی تفسیر کی ہے: ؎

بہ پندِ غیر چہ حاجت کہ بہر اہلِ نظر　　جہاں و ہر چہ درو ہست پند در پند ست

عزتِ نفس کا منظر دیکھیے: ؎

تشنۂ الطاف تو در کربلائے نام و ننگ　　داد جاں در تشنگی و خیمہ بر کوثر نزد

نظیری کی طرح یہ شانِ بے نظیری دیکھنے کے قابل ہے: ؎

منصور را شماتتِ صد دشمناں نداد　　دردے کہ از ملامتِ یک آشنا رسید

عزمِ بلند کا درس دیتے ہیں: ؎

قصورِ خاطرِ تنگ ست و دامنِ کوتاہ　　وگرنہ لالہ و گل در چمن فراواں ست



مخلص ملاحظہ ہو، جوشِ بہار کا نقشہ کھینچ کر دکھاتے ہیں: ؎

زفرطِ نشو و نما شاخ و گل رسند بہم　　چو لالہ سر کشد از شاخ تاجدار کشد

زہے روانیِ طبعِ رواں کہ از یک حرف　　سخن ز صحنِ گلستاں بشہر یار کشد

رات کو شعرا حاملہ کہتے آئے ہیں، اس میں مضمون آفرینی کی داد دی ہے: ؎

جز یکے خورشید، خورشیدے دگر پیدا نکرد　　عمرہا بگزشت می گویند شب آبستن ست

آفتابِ دین و دولت شمعِ بزمِ علم و فن　　نیست جز شاہِ دکن بر اہلِ عالم روشن ست



مدح میں مولانا محوی کا اسلوب شاید سب سے الگ نظر آئے گا۔

ایک ایک شعر سے بادشاہ کے ساتھ اُن کی مخلصانہ عقیدت تراوش کرتی ہے،

عروج وزوال ملّت کی تاریخ اُن کے سامنے ہے، درد سے دل لبریز ہے، سینے سے نالے نکلتے ہیں اور ترکیب بند بن جاتے ہیں :

چشمِ اسلام چو از خوابِ گراں بکشاید — چار سو بنگرد و لب بہ فغاں بکشاید
خویش را خوار چو در پنجۂ اعدا بیند — نظرِ یاس سوِ اُمتیاں بکشاید

اعلیٰ حضرت خلّدہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب فرماتے ہیں :

گر جہاں را تو بہ آئینِ خرد خواہی داشت — سکّۂ نامِ تو بر روئے زمیں خواہد شد
حیدرآباد بعہدِ تو اگر خواست خدائے — مرکزِ دائرۂ دولت و دیں خواہد شد

مولانا محوی کی یہ دعا قبول ہوئی، اعلیٰ حضرت کے فیض سے حیدرآباد حقیقت میں "مرکزِ دائرۂ دولت و دیں" بن رہا ہے۔

چاروں بند عجیب شان رکھتے ہیں۔

صاف نظر آتا ہے کہ اخلاص مندی اُکساتی ہے اور حرفِ عقیدت زباں پر لاتی ہے۔

استحکام سلطنت کے اصول بیان کرتے ہیں اور پھر جوش دلاتے ہیں :

باید ایں کار بصد شوق و تولاّ کردن — دل در و بستن و اسباب مُہیّا کردن
شہ نما آئنۂ نیست بعالم شاید — سر فرو بردن و از خویش تماشا کردن

نااُمیدوں کو ڈھارس دیتے ہیں :

شاہ ما شیوۂ مردانِ جہاں نگزارد — ملک در پنجۂ بیداد گراں نگزارد
کشورے را بکفِ جور و جفا نپسندد — عالمے را بدمِ تیغ و سناں نگزارد
آں کہ دارد دلِ بیدار و سرِ پنجۂ قوی — قوم را خفتہ بایں خوابِ گراں نگزارد

انداز دعا ملاحظہ ہو: ؎

بفرو شوکت شاہانہ تا ابد باشی | ہمیں دعاست کہ من بندہ بار بار کنم
خدا کند کہ من اندر چگاہ دیگر | ادائے تہنیتِ قبضۂ برار کنم

مقام دعا کی دل کشا ندرت دیکھئے: ؎

درحریم بندگی بہرِ دعا گویانِ شاہ | خود شگافِ سینہ محرابِ دعا آوردہ است

مولانا محوی کا کلام نہایت ممتاز خصائص کا جامع ہے۔

عرب میں ابن زیدون کا قصیدہ اسلامی سلطنتوں کی تاریخ مانا گیا ہے، مولانا محوی کا کلام اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کے عہد دولت کی ایک نہایت روشن تاریخ ہے جس کے آئینہ میں اُن تمام ترقیوں کے جلوے نظر افروز ہوتے ہیں جن سے اس عہد سعادت میں ملک وملت کی شان بڑھی ہے، بیشتر قصائد تاریخی ہیں اور بعض مثلاً: ؎

گیتی مراد از نمِ ابرِ بہار یافت

ایک دل کش تاریخ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں ہر محکمے کی تصویر دکھائی ہے اور منظر کی تصویر کھینچی ہے۔

جہاں جہاں موقع ملتا ہے ملک وملت کو بیدار کرتے ہیں۔ غلو و اغراق سے کلام پاک ہے۔

زبان عجمی اور خالص عجمی ہے مگر ذہنیت عربی ہے۔ جو کہتے ہیں اسی اسلوب میں کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت پادشاہ اسلام کے زیر سایہ لوائے اسلام سربلند ہو۔

انداز عبرت و پختگی و روانی و سلاست و شگفتگی میں سعدی سے اُن کو تشبیہ دی جا سکتی تھی، اگر سعدی یہ تعلیم نہ دیتے: ؎

اگر شہ روز را گوید شب ست ایں — بباید گفتن اینک ماہ و پرویں

اب دیکھئے، مولانا محوی کیا تعلیم دیتے ہیں: ؎

شاہ را روشنگرِ ہر انجمن باید شدن — ہمچو جاں قوتِ دہِ ہر عضوِ تن باید شدن

در رسومِ داوری چوں آفتابِ نیمروز — بر سرِ اہلِ جہاں پرتو فگن باید شدن

در تنِ ہر مملکت روح و روان علم ست و فن — پادشہ را سرپرستِ علم و فن باید شدن

گر تو خواہی خواجہ بر خلقِ خدا فرماں دہی — خود ترا فرماں پذیرِ ذوالمنن باید شدن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو نصیحت سے تعبیر فرمایا ہے، یہی دینداری ہے جو ایک مخلص مسلمان کو عقیدت مندی کا حق ادا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

ان قصاید کے بعد اگر دیوان غزل کی نوبت آئی تو اہل فن دیکھ لیں گے کہ خسرو کے عہد سے جس پختگی کی بنیاد پڑی تھی مولانا محوی میں وہ کس طرح پختہ تر ہو کر نمایاں ہو رہی ہے۔

فلسفہ نے عالم کی ہر شے کو متحرک مانا ہے، فرماتے ہیں: ؎

تو ساکنی و ہمہ کائنات در سیر ست

نظیری کی غزل پر غزل کہی ہے جس میں ایک ایسا شعر کہہ گئے ہیں کہ ایک دیوان نثار ہے: ؎

جز بنا مت نشود مسجد و بت خانہ بنا — اے کہ صد مسجد و بت خانہ بر انداختۂ

میری رائے ناقص میں اگر فارسی کے نصاب درس میں یہ مجموعہ داخل کرلیا جائے تو ادب فارسی کی خوش بختی ہوگی۔ فارسی کے نقش و نگار اگرچہ مٹتے جاتے ہیں لیکن جو زبان ایسا نقشِ ادب رکھتی ہو، ایسے نگار خانۂ سخن پر حاوی ہو، اُس کو مٹایا نہیں جا سکتا ؎

هزار نقش تماشا شکسته اند هنوز
هزار نقش تماشاست چشمِ بینا را

(محوی)

لیلۃ المعراج
۱۳۵۶ھ

عمادی



ھوالکافی

نخلِ تصویریم ما از برگ و بارِ ما مپرس   از خزانِ ما مگو و ز نو بہارِ ما مپرس
زادگانِ سروراں، آزادگانِ بے نشاں   از نژادِ ما مجو ہم از دیارِ ما مپرس

نژاد اور دیار سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی اپنے اوران نظموں کے متعلق جو ناظرینِ باتمکین کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی ہیں، چند حرف عرض کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

اس زمانہ میں جس طرح "منشی" اور "مولوی" کے الفاظ اپنے اصلی مفہوم سے منزلوں دُور جا پڑے ہیں، وہی حال لفظ "شاعر" کا ہے۔ ہم ہر ایسے شخص کو جو نثر کو کسی طرح بھی نظم کر لیتا ہے شاعر کہنے لگے ہیں، حالانکہ اس معزز لقب کے مستحق ہونے کے لئے اُن بہت سے اوصاف اور کمالات کی ضرورت ہے جن کے نام سے بھی اکثر لوگ واقف نہیں۔ نظامی عروضی جو تنقید شعر کے ایک

مستند ماہر مانے جاتے ہیں اپنی کتاب "چہار مقالہ" میں لکھتے ہیں کہ شاعر کو سلیم الفطرۃ، عظیم الفکرۃ، صحیح الطبع، جید الرویہ، دقیق النظر اور تمام علوم و فنون سے آگاہ ہو جانا لازم ہے کیونکہ شعر میں ہر علم و فن سے کام لینا پڑتا ہے اور شعر ہر علم و فن میں کام آتا ہے۔ شعر کا بڑا مقصد بقائے نام ہے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کسی شخص نے جوانی میں مشہور شعرا اور مستند ادبا کے بیس ہزار شعر اور دس ہزار نثر کے برجستہ فقرے از بر نہ کئے ہوں اور قدیم استادوں کے دیوان اس کی نظر سے نہ گزرے ہوں اور عروض و قافیہ اور نقد معانی و الفاظ، سرقات و تراجم کی کتابیں کسی معتبر استاد سے نہ پڑھی ہوں۔ اس معیار کے لحاظ سے میں اپنے آپ کو اس معزز طبقہ میں شمار کئے جانے کے قابل ہرگز نہیں پاتا۔ البتہ ٹوٹی پھوٹی نظم ضرور لکھ لیتا ہوں اور یہ شغل ایسے زمانہ سے جاری ہے جب کہ طالب علمی میں لکھنے پڑھنے اور ملازمت میں مختلف سررشتوں کے سرکاری کاموں سے سر اٹھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی، مگر ان دونوں زمانوں کا سرمایہ، تمام تعلیمی اور کارگزاری کے اسناد، اہم کاغذات اور مختصر نقد و جنس کے ساتھ لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں چوروں کے نذر ہو گیا، جس پر آج تک کف افسوس ملتا اور عرفی شیرازی کی ہمنوائی کرتا ہوں ؎

عمر در شعر بسر کردہ و درباختہ ام

عمرِ درباختہ را بارِ دگر باختہ ام

عرفی پُرگو شاعر اور اس اتلاف کے وقت نوجوان تھا وہ اس حادثہ پر دل کو اس طرح تسلّی دے لیتا ہے ؎

گفتہ گو شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجاست
از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام

مگر میرے لئے یہ تسلّی بھی مفقود ہے۔ اب جذبات میں نہ پہلا سا جوش و خروش باقی ہے اور نہ طبیعت میں پہلی سی جولانی اور روانی۔ نہ وہ احباب ہیں اور نہ وہ صحبتیں جو شعر و سخن کی محرک ہوتی تھیں، ان حالات میں تلافی مافات کی کیا اُمید کی جاسکتی ہے۔

قدیم کلام کا جو حصّہ بعض بیاضوں اور پرچوں پر رہ گیا ہے وہ اس قدر پراگندہ اور پریشان ہے کہ اس کا جمع کرنا اور ترتیب دینا خود شعر کہنے سے زیادہ مشکل ہوگیا ہے۔ میرے ایک فرزند رشید احمد ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) نے کچھ کلام بہ مشکل جمع کرلیا ہے جو شاید کسی وقت طبع کے قابل ہو جائے۔ البتہ جو غزلیں سنہ ۱۳۳۷-۳۸ف میں عالی جناب سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنت بالقابہ کے مشاعروں کے لئے لکھی گئیں وہ ایک حد تک محفوظ ہیں۔ اگر یہ ادبی صحبت جاری رہتی تو عجب نہیں کہ ضائع شدہ سرمایہ کی کچھ تلافی ہوجاتی، مگر اس صحبت میں بعض حضرات کی سوء تدبیری سے کچھ ایسے لوگ شریک ہوگئے جو معاشرتی، اخلاقی اور علمی تینوں حیثیتوں سے اس ادبی انجمن میں جگہ پانے کے مستحق نہ تھے۔ ان کے

ناشایستہ اعمال اور نازیبا حرکات کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ صحبت بہت جلد درہم و برہم ہو گئی اور اب کسی ایسی ادبی انجمن کے قیام کی بظاہر امید بھی نہیں کی جا سکتی۔

درچمن از کہ مراعات ادب داری چشم

بلبلاں مست، صبا بے خود و گل بے پروا

کہتے ہیں کہ فارسی شاعری کی ابتدا قصیدہ سے ہوئی۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں نے بھی نظم نویسی اسی صنف شعر سے شروع کی۔ علی گڑھ کالج کی بی اے کلاس کے فارسی نصاب میں قاآنی کے چند قصاید داخل تھے۔ مولانا شبلی فارسی کے پروفیسر تھے۔ مولانا مرحوم ان نادر الوجود استادوں میں تھے جو نہ صرف کسی مضمون کو پڑھا اور سمجھا دینے بلکہ اس مضمون کے ساتھ شاگردوں میں حقیقی دلچسپی پیدا کر دینے میں ملکہ رکھتے ہیں۔ مولانا مرحوم و مغفور کی دلچسپ اور موثر صحبت اور شاگردی کا یہ اثر ہوا کہ ہم میں سے بعض طلبہ فارسی میں ٹوٹی پھوٹی نظم لکھنے لگے اور سب نے قاآنی ہی کا طرز اختیار کیا۔ کالج سے نکلنے کے بعد بعض ساتھی تو شعر گوئی کی علت سے بالکل پاک اور صاف ہو گئے اور بعض نے فارسی چھوڑ کر اردو کی طرف توجہ کی اور اچھے شعر کہنے لگے۔ مگر میں اس علت کے قدیم جراثیم اپنے دماغ سے نکالنے میں آج تک کامیاب نہ ہو سکا۔ جب موقع ملتا ہے اور آب و ہوا موافق پاتے ہیں یہ جراثیم ابھر آتے ہیں اور اسی زبان میں جس میں ساٹھ ستر برس پہلے ہمارے آبا و اجداد لکھتے پڑھتے تھے کچھ گرم و سرد

کہنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔ البتہ تجربہ نے اتنا ضرور بتا دیا ہی کہ قاآنی نے جس قدیم سبک (روش) کو زندہ کرنا چاہا اور نہایت کامیابی کے ساتھ زندہ کر دکھایا، اس کا تمام تر دار مدار صنعت ترصیع پر ہی اور یہ صنعت اگرچہ جڑاؤ زیور کی طرح نظر فریب اور خوش نما ضرور ہی مگر اندر سے پولی اور کھوکھلی ہی۔ مبصران فن اس نکتہ سے واقف ہیں کہ جب اس صنعت کے التزام کے ساتھ شعر کہا جاتا ہی تو بیت کا پہلا مصرعہ تو شاعر کے قابو کا ہوتا ہی، اس میں جو چاہے کہہ لے مگر دوسرا مصرعہ اس کے قابو کا نہیں رہتا، اُسے عام طور سے مصرعہ اوّل کے قالب میں ڈھالنا اور اسی کی صداے بازگشت بنانا پڑتا ہی۔ میں اپنے ہی ایک قصیدہ کے جو ٹھیک پینتالیس سال قبل کا کہا ہوا ہی۔ چند اشعار بطور مثال پیش کرتا ہوں، جس سے میرا بیان غالباً زیادہ تر واضح ہو جائے گا ؎

چو دی روز خورشید سرزد زخاور | در آمد غزال غزل خوانم از در
رہا کردہ بر تن دو گیسوئے مشکیں | فروہشتہ بر رُخ دو زلفِ معنبر
دو تابندہ عارض دو مہرِ درخشاں | دو پیچندہ کاکل دو پیچیدہ اژدر
بزیرِ دو اژدر دو مہرِ درخشاں | بروئے دو مہرِ درخشاں دو اژدر
دو چشمِ سیاہش دو جادوے فتاں | دو رنگین لبانش دو لعلِ فسوں گر
بجاے دہن تعبیہ کردہ رمّاں | بجائے سخن عاریت کردہ شکّر

ہر بیت کا دوسرا مصرعہ ملاحظہ ہو، صاف نظر آتا ہی کہ اُسے پہلے مصرعہ کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہی، جس سے ادائی مقصد کے میدان کا تنگ ہو جانا ایک لازمی اور لابدی امر ہی۔ قاآنی سا طباع، قادر الکلام اور ہمہ داں شخص اپنی طباعی، قادر الکلامی اور ہمہ دانی کے زور سے اس صنعت کے تمام مراحل خیر و خوبی کے ساتھ طے کر جاتا ہی مگر ایک ہندی نژاد مبتدی کے لئے اس راستہ پر چل چلنا سخت دشوار تھا۔ ہندی نژاد اور مبتدی تو ایک طرف خود ایران کے مستعد اہل زبان نے شعرائے طبقہ متوسطین یعنی نظیری، شفائی صائب، عرفی وغیرہ کا جادہ چھوڑ کر قاآنی کی روش اختیار کی اور شاہراہ سخن سے ایسے بھٹکے کہ جب تک پھر کوئی قاآنی سی زبردست ہستی ان کی رہنمائی نہ کرے ان کا صحیح جادہ پر آنا مشکل معلوم ہوتا ہی۔ مختصر یہ ہی کہ جو طرز پہلے اختیار کیا گیا تھا اسے چھوڑ کر اب جو کچھ اور جب کبھی کہتا ہوں اس میں شعرائے طبقۂ متوسطین کی تتبع کی کوشش کرتا ہوں۔ اس فیضان اور تتبع کے سوائے فن شعر میں نہ کسی کا تلمذ رہا اور نہ اب ہی۔ البتہ صحبت ایسے بزرگوں سے رہی جو اس فن میں ممتاز اور سربر آوردہ سمجھے جاتے تھے۔ آنکھ کھول کر اپنے خاندانی بزرگوں مثلاً مولانا حاجی حکیم معصوم علی مسیح، منشی حافظ احسان علی فصیح، مولوی حکیم سرفراز علی زخمی کو دیکھا جو اپنے زمانہ کے مشہور سخن گو اور سخن شناس تھے اپنے آبا و اجداد مثلاً مولوی احمد علی احمد، مولانا مخدوم بخش بخشش اور

مولانا مہدی علی بسمل کا کلام سنا اور پڑھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں مولانا محمد اسحٰق اسرائیلی، علامہ شبلی، مولانا حالی، میرزا محمد تقی کمال الدین سنجر اصفہانی کی صحبتوں سے فیض پہنچا۔ حیدر آباد میں سناد الملک مولوی سید علی شوستری طوبیٰ[1]، مولوی فضل رب عرشی[2] قاآنی ہند، گرامی، ترکی، مولوی عبدالجبار خاں آصفی

[1] سناد الملک اعلی اللہ مقامہ میرے حال پر بطور خاص عنایت فرماتے تھے۔ ان کا جو عنایت نامہ آتا تھا اس میں کوئی قطعہ یا رباعی ضرور تحریر فرماتے تھے جو بطور مرحوم کی یادگار کے درج ذیل ہیں:

مسعود علی حبیب مسعود من ست — ہم زُود قدیمی ست د مود ود من ست
در ہر جائے کہ او ملاقات کند — باللہ کہ آں مقام محمود من ست

دیگر

مسعود از ازل بہ علی شد سعادتت — بر ماست ہیچو شمس نجابت نجادتت
اے آفریں بفطرۃ وصد مرحبا بخلق — کز خلق احدی ست ہمانا رشادتت

دیگر

مسعود علی کہ سعد شش اقبال بود — انشاء اللہ فزونش اقبال بود
ہر کس کہ بد ش گوید و بد خواہ ویست — در زیر سم سمند پامال بود

[2] مولوی فضل رب عرشی مرحوم قصبہ تاج پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ غیر معمولی طبیعت پائی تھی۔ قاآنی کے رنگ میں لکھتے تھے اور اس قابلیت اور قوت کے ساتھ لکھتے تھے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ سخن شناس بھی ان کے اور قاآنی کے کلام میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کا کل کلام ان کے شاگرد مظفر جنگ مرحوم نے غالباً طبع کرانے کے خیال سے منگا لیا تھا مگر خود ان کا انتقال ہوگیا اور اس طور سے ان کا تمام عمر کا سرمایہ ضائع ہوگیا۔ اگر وہ مل جائے تو اس کے طبع اور اشاعت کا انتظام ہو جانا باسانی ممکن ہے۔ مرحوم نے اکثر نظمیں میرے لئے لکھی تھیں مگر وہ میرے پاس سے بھی ضائع ہوگئیں۔

مولانا عبدالغنی خاں غنیؔ مولوی محمد جعفر زمہریؔ، حیدریار جنگ طباطبائی مرحومین اور علامہ عمادی اور نواب ضیاء یار جنگ بہادر ضیاؔ مدظلہما کے ساتھ شعر و سخن کے تذکرے اور پُر لطف صحبتیں رہیں۔ اسی میں اگر اعلیٰ حضرت خداوند نعمت بندگان عالی متعالی نواب میر عثمان علی خاں آصف ہفتم خلد اللہ عمرہ و سلطنتہ سے خسرو اقلیم سخن کی نظر تربیت و اصلاح اور عالی جناب سر مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنت دام اقبالہ سے کہنہ مشق سخن گو اور سخن شناس کی دل افزائیوں کا اضافہ کر لیا جائے تو میرے مختصر سرمایۂ استعداد کا سرسری اندازہ ہو جائے گا۔ باوجود اس کم بضاعتی اور کم استعدادی کے اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کی مسند نشینی کے وقت سے اس وقت تک ذات ہمایونی کی مداحی اور دعاگوئی کا شرف حاصل کرتا رہا ہوں اور اس لحاظ سے شاید میرا یہ دعویٰ غلط نہ ہو کہ میں سرکار کا قدیم ترین مداح اور دعاگو ہوں۔ میری مداحی ذات شاہانہ کے حقیقی اوصاف کے اظہار کی غیر کافی کوشش اور میری دعاگوئی حضرت اقدس کے بے شمار الطاف کی ناتمام شکر گزاری ہے۔ میں نے جو مدح کی ہے اسے حتی الامکان مبالغہ کی رنگ آمیزی اور غلو کی نقش پردازی سے دور رکھا ہے۔ میں نے قدیم شاعروں کی طرح ممدوح کے تیغ و سناں، پیل و اسپ، کاخ و ایوان، باغ و بستان کی تعریف کرکے کلام کو زینت دینے کی کوشش نہیں کی اور نہ مجھے اس کی ضرورت تھی، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ممدوح کی ذات بابرکات میں اتنے صفات جمع کر دیئے ہیں کہ

انھیں کے اظہار سے کسی مداح کا عہدہ برآ ہونا دشوار ہے۔ اسے فرضی خوبیوں کی تلاش یا حقیقی اوصاف میں مبالغہ کی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ اسی لحاظ سے میں نے ایک قصیدہ میں عرض کیا ہے ؎

منکر، گماں مبر کہ نہنگِ مبالغہ | دربحرِ مدح پائے ثنا ور گرفتہ است
ہر انچہ گفت محویؔ آزادہ دیدہ گفت | بر ناطقہ زباصرہ محضر گرفتہ است

میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ ذات ہمایوں کی دادگستری، علم دوستی، معارف پروری، غریب نوازی، سیاست دانی، فیض رسانی، سادہ زندگی، اصلاح معاشرت، تزئین مملکت، سخن گوئی، سخن فہمی کی حقیقی تعریف و توصیف ہے جس سے کوئی انصاف پسند شخص انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اعلیٰ حضرت کا کلام بلاغت نظام وقتاً فوقتاً مقامی اور بیرونی اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے، جس سے ہر سخن فہم اور سخن سنج اس کی لطافت، فصاحت اور بلاغت کا خود اندازہ کرسکتا ہے۔ مگر سخن فہمی اور سخن سنجی کا حال وہی لوگ جانتے ہیں جنھیں حضرت کی پیشگاہ میں کسی نظم کے پڑھنے کی عزت حاصل ہوئی ہے جو لوگ اس عزت سے شرف یاب ہوئے ہیں وہ اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ نظم میں کوئی اچھا شعر ایسا نہیں ہوتا جس پر حضرت کی دقیقہ رس نظر نہ پڑے اور اس کی معقول داد نہ ملے۔ جن اشعار پر اعلیٰ حضرت شعرا کی دل افزائی اور تحسین فرماتے ہیں وہ فی الحقیقت تمام نظم کی جان ہوتے ہیں۔

قدیم سے یہ بحث چلی آتی ہے کہ شعر گوئی مشکل ہے یا شعر فہمی، فانی کشمیری سے
(جن کو غنی کی استادی کا ادعا اور غنی کو اس سے انکار تھا) کسی شخص نے
یہی سوال کیا تھا، اس کے جواب میں فانی نے اپنا یہ شعر پڑھا ؎

بس کہ نافہمیدہ نتواں یک سخن فہمیدہ گفت
شعر گفتن پیش شاعر بہ ز فہمیدن بود

اسی مضمون کو ملک الشعرا کلیم نے بہتر طریقہ سے ادا کیا ہے وہ کہتے ہیں ؎

کس بجز شاعر تلاش معنی فہمد کلیم
شعر فہماں جملہ صیاد اند صید بستہ را

ذات ہمایوں میں چونکہ سخن گوئی اور سخن فہمی کے دونوں اوصاف
جمع ہیں اس لئے ہر سخن گو اپنی کاوش اور محنت کی پوری داد پاتا ہے اور
غیر پیشہ ور شاعر کے لئے سب سے بڑا یہی صلہ ہوسکتا ہے۔

اس مختصر معروضہ کے بعد مجھے صرف یہ بتانا رہ جاتا ہے کہ فارسی ادبیات کے
ان بیش بہا جواہر کی موجودگی میں جن کا مقابلہ دنیا کا کوئی ادبی خزانہ نہیں کرسکتا
اس محقر اور مختصر بضاعت کو اس کساد بازاری کے زمانہ میں معرض نظر میں لانے کی
ضرورت کیوں اور کس طرح واقع ہوئی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے
بست و پنج سالہ جشن جلوس کی خوشی سے رعایا کا ہر طبقہ اور ہر طبقہ کا ہر فرد بشر
متاثر اور مسرور ہے اور چاہتا ہے کہ اس موقع پر اپنی عزیز سے عزیز چیز اپنے

رعایا پرور بادشاہ کے نذر کرنے کی عزت حاصل کرے۔ میرے پاس بجز دعا اور ثنا کے اور کیا تھا اس لئے میں نے اسی حقیر بضاعت کو بامید شرف قبول پیش کرنے کا تصفیہ کیا۔ علاوہ اس کے پیش گاہ حضرت خداوندنعمت سے دو مرتبہ بہ نظر دل افزائی ارشاد ہو چکا ہے کہ تمہارا جو کچھ کلام دست برد زمانہ سے باقی رہ گیا ہے اس کی طباعت اور اشاعت کا انتظام اپنی زندگی میں کرلینا چاہیئے ورنہ شاعر کے مرنے کے بعد اس کا کون خیال کرتا ہے۔

خداوند عزوجل اپنے فضل و کرم سے اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی عمر و صحت اور اقبال و دولت میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے جن کے جشن جوبلی اور اس کریمانہ اور حکیمانہ ارشاد کی بدولت مجھے ان چند مدحیہ قصائد کی طباعت اور اشاعت کی توفیق ہوئی وگرنہ میرا ہمیشہ سے یہ مسلک رہا ہے ؎

عمل بسیار علم بر مکن کہ مردم را
بہ سلیم ترا زراہ بے نشانی نیست

خاکسار
مسعود علی محوی، بی اے (علیگ)
سابق سشن جج
حیدرآباد (دکن) ۱۳۵۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظم نشان (۱)

کہ حسب فرمائش عالی جناب شہاب جنگ مختار الدولہ افتخار الملک مرحوم سابق معین المہام کوتوالی و تعمیرات عامہ۔ بہ تقریب رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی۔ بہ قیام گاہ عالی جناب موصوف بمقام نارین مرتب شد[1] ۱۳۳۱ ف

بند اوّل

روزے ایں شاہ نشیں[2] شاہ نشیں خواہد شد | باتو اے خواجہ بگفتم کہ چنیں[3] خواہد شد
مرحبا اہلاً و سہلاً شہِ خورشید کلاہ | کز قدوم تو زمیں چرخ بریں خواہد شد

[1] یہ نظم جس موقع کے لئے لکھی گئی تھی بعض وجوہ سے اس موقع پر نہ پڑھی جا سکی۔ ۲۹ رجب ۱۳۳۶ھ کو ایک جلسہ "طبقہ خدام علم" کی طرف سے سال گرہ مبارک کی تقریب میں بصدارت عالی جناب سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت دام اقبالہٗ فتح میدان کی عمارت میں منعقد ہوا تھا، اس میں یہ نظم پہلی مرتبہ پڑھی گئی۔ عالی جناب سر مہاراجہ بہادر اور جناب عماد الملک مرحوم و مغفور نے جن الفاظ میں میری دل افزائی فرمائی وہ اس قدر تعجب انگیز نہ تھی جتنی سر افسر الملک مرحوم کی قدر دانی جلسہ برخاست ہونے کے بعد سر افسر الملک میرے پاس تشریف لائے اور مصافحہ کرکے فرمایا کہ "میں نہیں سمجھتا تھا کہ اب بھی ہم لوگوں میں فارسی میں ایسے شعر کہنے والے لوگ موجود ہیں"۔ دوسرے دن مجھے چائے پر بلایا اور پھر یہ نظم سنی اور دیر تک مولانا شبلی مرحوم وغیرہ کا ذکر کرتے رہے۔

[2] ایک بلند مقام سرکار کی رونق افروزی کے لئے تیار ہوا تھا، اسی کو "شہ نشیں" سے تعبیر کیا ہے۔

[3] شہاب جنگ مرحوم کی طرف سے دعوت کا معروضہ پیش ہوا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ سرکار اسے منظور فرماکر تشریف فرما ہوں گے بعض لوگ اس کے خلاف تھے۔ مجھ سے دریافت کیا گیا تو میں نے کہا کہ سرکار ضرور تشریف فرما ہوں گے۔ اسی طرف اشارہ ہے۔

کاخ و کاشانہ ز فرتابِ نظر خواہد تافت
بام و در ضو فگن از نورِ جبیں خواہد شد

از جمالت چو مکاں کسبِ ضیا خواہد کرد
از جلالت شرف اندوز مکیں خواہد شد

تابشِ مہر بیک ذرّہ نخواہد کاہید
ذرّہ رخشندہ تر از ماہِ مبیں خواہد شد

گر جہاں را تو بہ آئین خرد خواہی داشت
سکّۂ نامِ تو بر روئے زمیں خواہد شد

چرخ بے دام و درم بندہ صفت خواہد گشت
ملک بے چون و چرا ملکِ یمیں خواہد شد

حیدرآباد بعہدِ تو اگر خواست خدائے
مرکزِ دائرۂ دولت و دیں خواہد شد

پردہ از عظمتِ غرناطہ بخواہد افتاد
قصّۂ شوکتِ بغداد یقیں خواہد شد

صولتِ غزنی و دہلی و بخارا و دمشق
ہست افسانہ کہ با عقل قریں خواہد شد

کار سخت ست سرانجام کماہی نشود
تا بر و صرف ہمہ ہمّتِ شاہی نشود

بند دوم

باید ایں کار بصد شوق و تولّا کردن
دل دراو بستن و اسباب مہیّا کردن

از پے عدل کمر بستن و محکم بستن
وعدۂ رفعِ ستم کردن و ایفا کردن

چشم بر قول کہ "الناس علیٰ دین ملوک"
تا تواں مشربِ خود پاک و مصفّا کردن

شہ نما آئینۂ نیست بعالم ، باید
سر فرو بردن و از خویش تماشا کردن

قوم را آب ز سر چشمۂ حیواں دادن
ملک را زندہ باعجازِ مسیحا کردن

رایتِ فضلِ نگوں گشتہ ، ببالا بردن
دفترِ علم پراگندہ ، بیک جا کردن

بهرِ ترویجِ فنون و پئے تکوینِ هنر — مقدمِ اهلِ کمالات تمنّا کردن

بذل و امساک ز کهسار بباید آموخت — قطره قطره بهم آوردن و دریا کردن

زیستن طفل صفت پاک ز آلایشِ دهر — رائے چوں پیر زدن کار چو برنا کردن

جهد ها کردن و لیکن پئے مشکوریِ جهد — تکیه بر لطفِ خداوندِ تعالیٰ کردن

آنکه بے همّتِ او جهد بجائے نرسد

حلِّ مشکل نه شود برگ و نوائے نرسد

بند سوم

چشمِ اسلام چو از خوابِ گراں بکشاید — چار سو بنگرد و لب بفغاں بکشاید

خویش را زار چو در پنجهٔ اعدا بیند — نظرِ یاس سوئے اُمّتیاں بکشاید

کیست آں مرد که از ملّتِ بیضائے رسول — دستِ شر بندد و آغوشِ اماں بکشاید

کیست آں رستمِ دوراں که پئے شاهِ عرب — هفتخوانِ ستمِ دورِ زماں بکشاید

کیست آں مهدیِ موعود که در آخرِ عهد — پرچمِ دیں ز کراں تا بکراں بکشاید

تیغ با کلک، نگیں را به علم باید داشت — تا بدیں فضل و هنر باز جهاں بکشاید

تا زمانه دگر از طعنه زباں بربندد — تا دگر چرخ ز آزار میاں بکشاید

تا رخِ غوطه[1] دگر بار بتابد چو چمن — تا سرِ دجله[2] دگر آبِ رواں بکشاید

---

[1] غوطه سوادِ دمشق کی ایک مشهور نزہت گاہ تھی جو قدیم زمانہ میں دنیائے اسلام کے عجائبات میں شمار ہوتی تھی

[2] دجلہ وہ دریا ہے جس نے صدیوں عباسیانِ بغداد کی شان و شوکت کا تماشا دیکھا اور خود ان تماشوں میں شریک رہا ہے۔ شعر کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی قدیم عظمت اور بزرگی پھر عود کر آئے۔

راست گویم که دعا از دل خوں گشتۂ قوم — ہمچو تیرے ست کہ از سخت کماں بکشاید

مفتی شہر ندانم کہ چنیں بے خبر است

با تو ای شاہ کہ گفتست؟ دعا بی اثر است

بند چہارم

اجرای کار ز دارائے جہاں خواہی دید — خلق آسودہ در آغوش اماں خواہی دید

دستِ "دستور" ہمہ گیر و قوی خواہد شد — بازوے "قاعدہ" باتاب و تواں خواہی دید

فتنہ را بستۂ زنجیرِ بلا خواہی یافت — ظلم را کشتۂ شمشیرِ زیاں خواہی دید

داد را پایہ و مقدار اگر خواہی داد — ملک را پاک ز بیداد گراں خواہی دید

از مسیحا نفسے گر تو دمے خواہی زد — قالبِ قوم نہ بے روح رواں خواہی دید

ہرچہ در فہم نہ آید بجہاں خواہد شد — انچہ در وہم نگنجد بہ عیاں خواہی دید

از دعائے کہ بہ ہر صبح ہزاراں گویند — اے گلِ تازہ نہ آسیبِ خزاں خواہی دید

ابتدائے شرف و عزت و شان ست ہنوز — شادماں باش بسے عزت و شاں خواہی دید

محویا شاہ خریدارِ ہنر گشت و کنوں — نرخِ ایں جنس ببازار گراں خواہی دید

بمثل گر تو کلیمی[۱] بہ سخن آرائی — شاہ را ہم بعطا شاہجہاں خواہی دید

شاہ چوں صیرفیاں عیب و ہنر می سنجد

باش یک چند ترا نیز بزر می سنجد

---

۱ کلیم ہمدانی عہد شاہجہانی کا ملک الشعرا تھا۔ ایک سال نوروز اور عید شوال ایک ہی دن واقع ہوئی، اسی دن بادشاہ نے کشمیر کے سفر سے واپس آکر تخت طاؤسی پر جلوس فرمایا تھا (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۵)

نظم نشان (۲)

کہ بایمائے سر بلند جنگ مرحوم و مغفور سابق میر مجلس عدالت عالیہ سرکار عالی نوشتہ شد

یہ نظم سر بلند جنگ مرحوم و مغفور کے بڑے اصرار سے لکھی گئی تھی۔ اس زمانہ میں سر بلند جنگ مرحوم عدالت عالیہ سرکار عالی کے میر مجلس اور میں معتمد مجلس تھا۔ خیال یہ تھا کہ جب ہائی کورٹ کی جدید عمارت جس کے متعلق مجلس موصوف کے تمام عہدہ دار غیر معمولی دل چسپی کا اظہار کر رہے تھے بن کر تیار ہو تو اس کے افتتاحی جلسے میں یہ نظم پڑھی جائے، مگر افسوس ہے کہ ان کی یہ تمنّا پوری نہ ہو سکی۔ جس وقت اس عمارت کے افتتاحی جلسہ کی نوبت آئی "نہ وہ میر مجلس تھے اور نہ میں معتمد مجلس"۔ ایک الہ آباد میں مجبور اور دوسرا لکھنؤ میں مہجور تھا۔ افتتاحی جلسہ کی خبر سن کر میں نے اس کی ایک نقل حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کے ملاحظہ میں گزراننے کے لئے اپنے ایک دوست کے پاس بھیج دی تھی مگر جہاں تک معلوم ہوا وہ پیش نہ کر سکے۔ جب مجھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) اس موقع پر کلیم نے ایک قصیدہ سنایا جس کا مطلع یہ ہے ؎

خجستہ مقدم نو روز و غرّۂ شوال
فشاندہ اند چہ گلہائے عیش بر سر سال

شاہجہاں نے قصیدہ سن کر حکم دیا کہ کلیم چاندی میں تول دیا جائے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلیم بہت دبلا پتلا آدمی تھا، ساڑھے پانچ ہزار روپے سے زیادہ نہ لے سکا۔ دینے کا طریقہ تھا جس سے یہ قصہ آج تک مشہور چلا آتا ہے "ورنہ دو رگیوں جائے" خاندان آصفیہ کے فرماں رواؤں نے اس سے بہت زیادہ مقدار میں شعرا کو انعام دیئے ہیں۔ حضرت غفراں مکان (میر محبوب علی خاں مرحوم و مغفور) نے داغ مرحوم کو یکمشت اسّی ہزار روپئے عنایت فرمائے۔

یہ کیفیت معلوم ہوئی تو میں نے ڈاک کے ذریعہ سے براہ راست حضرت اقدس و اعلیٰ کی پیشگاہ میں ایک نقل گزرانی۔ یہ نظم بھی میرے دوسرے کلام کے ساتھ لکھنؤ میں ضائع ہوگئی تھی ایک دوست کی بیاض سے نقل کی جاتی ہے:-

بند اوّل

پیک می آید و ہر لحظہ خبر می آید
شاہ می آید و با شوکت و فر می آید

چشم خلق ست ہمہ شوق کہ در معرض دید
مردم دیدۂ ارباب نظر می آید

میر عثمان علی خاں شہ صدیق نشاں
با علوم علی و عدل عمر می آید

میر رسد گرم عناں بہر دل افزائی عدل
وز پے رفع ستم بستہ کمر می آید

می کشاید در ایوان عدالت کہ ازاں
خانۂ جور و جفا زیر و زبر می آید

می دہد آب بگلزار عدالت کہ ازاں[1]
شاخ اُمید خلائق بہ ثمر می آید

فضل را مژدہ کہ امروز بہ جمع فضلا
جامع فضل و کمالات و ہنر می آید

می سپارد رہ دلجوئی مخلوق خدا
بر نشان قدم جدّ و پدر می آید

ہر خیالے[2] کہ پدر ربست پسر کرد تمام
از پدر انچہ نیامد ز پسر می آید

از ازل رسم ہمین ست درین دیر دودُ
مہ چو در پردہ رود مہر بدر می آید

قسمت ملک ازیں بہ چہ تواند بودن
ہر یکے کار کیا[3] بہ ز دگر می آید

[1] ہائی کورٹ کی تعمیر اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں غفراں مکاں کے عہد میں شروع ہو چکی تھی مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی تھی کہ حضرت موصوف انتقال فرما گئے۔ [3] بادشاہ، فرماں روا۔

عدل و انصاف بہ ہر دور فزوں می گردد
جور و بیداد بہ ہر روز زبوں می گردد

بند دوم

عیش آساں نشود، امن ہویدا نشود — تا پئے دادگری ساز مہیا نشود
از ضعیفاں نشود دستِ تطاول کوتاہ — تا دل و بازوی انصاف توانا نشود
پادشاہے نکند شیوۂ انصاف پسند — تا بر و فضل خداوند تعالیٰ نشود
تا بہ ارکانِ عدالت ندہند آزادی[1] — کارِ ایں محکمہ شایستہ و زیبا نشود
رائے انصاف چو آزاد نباشد عجب است — گر ہمہ ملک پُر از شورش و غوغا نشود
قاضیاں گر بہ ہراسند ز بہمان و فلاں — ہرگز انجام ز شاں کار قضایا نشود
مطمئن گر نہ بود خاطرِ قاضی از فکر — مطمئن بر سجلش ملک و رعایا نشود
نشود فصل قضایا چو بآئین درست — صورتِ امن و اماں قائم و پیدا نشود
نائب پادشہ و خادم شرع اند قضاۃ — خدمت ملک ازیں برتر و بالا نشود
کاتب و حاجب و درباں ہمہ خدام شہ اند — ہر در[2] خشندہ مگر لولوئے لالا نشود

[1] یہ وہ زمانہ تھا کہ مجلس عدالت عالیہ کو کوتوالی اور خصوصاً کوتوالی بلدہ کے حد سے بڑھے ہوئے اقتدارات کی وجہ سے مقدمات کے بے لاگ تصفیہ میں بے حد دقتیں پیش آتی تھیں اور لوگوں پر بے حد سختیاں گزرتی تھیں۔ الحمد للہ اس زمانہ میں ان نقائص کی بڑی حد تک اصلاح ہو گئی ہے۔

[2] میں نے اپنی نظموں میں بعض مغربی خیالات اور مثلوں کی ترجمانی کی کوشش کی ہے جو میں سے ایک یہ ہے۔ انگریزی مثل ہے All is not gold that glitters

کارِ ہر عضو بدیوانِ بدن مخصوص ست — نطق شنوا نشود، سامعہ گویا نشود

اندریں نکتہ کہ نغز ست نظر باید کرد

قدرِ ہر بندہ بمقدارِ ہنر باید کرد

بند سوم

شاہِ ما شیوۂ مردانِ جہاں نگزارد — ملک در پنجۂ بیدادگراں نگزارد

کشورے را بکفِ جور و جفا نپسندد — عالمے را بہ دمِ تیغ و سناں نگزارد

بر ضعیفانِ ستم کش نہ گمارد ظالم — گرگ را بر سرِ ایں گلہ شباں نگزارد

دید از غصہ و غم شور بعالم برخاست — خواست از ظلم و ستم نام و نشاں نگزارد

"داد"[1] آوارہ و سرگشتہ بگردید بسے — عزم فرمود کہ زیں پیش چناں نگزارد

"داد" را داد چنیں قصرِ معلّٰی کہ بہ لطف — نام در دہر ز فردوس و جناں نگزارد

گفتم اے "داد محل"[2] خیز و نظر کن چمنے — کہ بہارش چمن آرا بخزاں نگزارد

---

[1] مجلس عدالت عالیہ کے لئے ایک زمانہ دراز سے کوئی موزوں اور مناسب مکان موجود نہ تھا۔ میری معتمدی کے زمانہ میں مجلس قدیم عمارت سے جو شاہی عاشور خانہ کے محاذی واقع تھی سر آسمان جاہ مرحوم کے خانہ باغ، اور خانہ باغ یا باغ عامہ اور باغ عامہ سے نواب سالار جنگ بہادر کی بارہ دری میں منتقل ہوئی، اسی بنا پر "داد" کو آوارہ اور سرگشتہ کہا گیا ہے۔ [2] جہاں اب ہائی کورٹ تعمیر ہوئی ہے وہاں قطب شاہیوں کے زمانہ میں ایک عالی شان عمارت تھی جو "داد محل" کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ خاندان قطب شاہی کے فرماں روا اسی عمارت میں مقررہ ایام اور اوقات پر اجلاس کرتے اور رعایا کی فریاد سنتے تھے۔ ہائی کورٹ کی تعمیر کے وقت اس محل کی بنیادوں کے بڑے بڑے پتھر برآمد ہوئے تھے جو اپنے بانیوں کی عظمت اور دنیا کی بے ثباتی کی داستان سناتے تھے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محل بھی دوسری شاہی عمارتوں کے ساتھ موسیٰ ندی کی ایک طغیانی میں تباہ ہوا تھا۔

گفت خامش کہ دریں دائرۂ نقص و زوال | ہیچ جز نام نکو دورِ زماں نگزارد
می برد دُردِ حَشِی، صاف کشی می آرد | خالی ایں میکدہ را پیرِ مغاں نگزارد
آنکہ دارد دلِ بیدار و سرِ پنجہ قوی | قوم را خفتہ بایں خوابِ گراں نگزارد
بحث و تکرار بہ تاثیرِ دعا بے سود ست | رسمِ خود محویِ آشفتہ بیاں نگزارد

کارِ ایں شاہِ فلک مرتبہ با آئیں باد
"ایں دعا از من و از روح امیں آمیں باد"

نظم نشان (۳)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک بر مصرعہ طرح فرمودۂ سرکار دام اقبالہ ۱۳۴۴ف

ع "ز اہلِ درد شنو قصۂ زلیخا را"

بیا بہ بزم و بدہ جلوہ روئے زیبا را | ببر ز خاطرِ ما حسرتِ تماشا را
بیا و روئے تو تسکینِ دل تواں کردن | و لے چہ چارہ کنم چشمِ ناشکیبا را
ز بختِ خویش چہ گویم کہ سجدۂ درِ تو | بسانِ حرف غلط محو کرد سیما را
بہ تنگیٔ دل و وسعِ خیال حیرانم | بقطرہ چوں بہم آوردہ اند دریا را
ہزار رنگ تماشا شکستہ اند و ہنوز | ہزار رنگ تماشاست چشمِ بینا را
امید و یاس نہ صافی دلاں چہ می پرسی | کہ شستہ اند ز دل نقش ہر تمنا را
مکن ہوس کہ رسی تا حریمِ کعبۂ دل | نکردہ طے سفرِ جاں گدازِ صحرا را

بکوئے دوست بہ ہر خطوہ ہست جائے نماز — بخاکِ کعبہ چہ می گستری مصلاّ را
تفاوتے نکند شادِ عشق در زن و مرد — بیک کمند کشد وامق و زلیخا را
دریں زمانہ اگر کس رہِ وفا پرسد — نشاں دہند باو آشیانِ عنقا را
سبک گزشت ہراں مرد عاقبت اندیش — کہ ہر چہ یافت ز دنیا بداد دنیا را
نشستنِ منِ بیچارہ از قناعت نیست — ز بس دویدہ ام و رنجہ کردہ ام پا را

نوائے تازہ سرایم باین دلِ کش تم
زچار سوئے چمن بلبلانِ شیدا را

بیا ز حجلہ بروں جانِ من تماشا را (مطلع) — کہ رشکِ باغِ جناں کردہ اند دنیا را
کشید ابر بسر سائبانِ استبرق — فگند سبزہ بہ ہر سو بساط دیبا را
زفرط نشو و نما نامیہ برابر کرد — بلند و پست و نشیب و فرازِ صحرا را
برائے بادہ کشی رعد می زند ہر دم — صلائے عام حریفانِ بادہ پیما را
ز جاں فزائیِ بادِ بہار بارِ دگر — بچشم دید جہاں معجزاتِ عیسیٰ را
نسیمِ صبح[1] چو بر روئے آب نرم وزید — نگار خانۂ چیں کرد روئے دریا را
گرفتہ اند ز شاخِ درخت و سبزۂ تر — مذکّرانِ چمن منبر و مصلّیٰ را
بقصد آنکہ چو محوی کنند ورد زباں — دعائے دولت و اقبالِ شاہ والا را
جہان عدل کہ در روزگارِ معدلتش — زمانہ کرد فراموش عدل کسریٰ را

---

[1] اس دل فریب منظر کا صحیح تصور وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے سکون کی حالت میں سمندر کو دیکھا ہے۔

مدبرے کہ بہ تدبیرِ عقل و حسنِ عمل	فزود فرّہ و فرہنگِ دین و دنیا را
شہے کہ کرد مسخّر بزورِ تیغ قلم	زمینِ شعر و سخن، ملکِ لفظ و معنی را
سخنورے کہ بہنگام گلفشانی او	بہ پست بلبلِ گویا زبانِ دعویٰ را
عطائے بے حدِ او بہرِ نشرِ علم و ہنر	زیاد برد عطاہائے معن و یحییٰ را
سحابِ ورزشِ فیضش نہ تشنہ گزاشت	زمینِ یثرب و خاکِ دیارِ بطحیٰ را
سمائے رحمتِ عامش ہمی کند سیراب	مجاورانِ حسین و علیِ اعلیٰ را
بحق پرستی و دیں پروری ز دست نداد	دثارِ پیشروان و شعارِ آبا را
ز صلحِ کل کردہ سرورانِ آزادست	نمود دورِ پراگندگیِ اجزا را

لہ ابوالولید معن بن زایدہ عرب کے مشہور سرداروں میں تھا۔ اس کی جواں مردی، فیاضی اور معارف پروری کے سیکڑوں قصے مشہور ہیں۔ اس کے مرنے پر جتنے مرثیے لکھے گئے شاید ہی کسی امیر کے مرنے پر لکھے گئے ہوں۔ مروان بن ابی حفصہ اس کے خاص مداح کے مرثیے کے اس شعر کو تاریخی شہرت نصیب ہوئی ؎

وقلنا این ترحل بعد معن ❊ وقد ذهب النوال فلا نوالا

اور ہم (شعراء) نے کہا کہ معن کے بعد کہاں جائیں، حقیقت یہ ہے کہ داد و دہش کا خاتمہ ہوگیا، اب داد و دہش کہاں ہے۔ یہ دردانگیز اور موثر شعر اس قدر مشہور ہوا کہ چھوٹے بڑے، امیر غریب سب کی زبانوں پر جاری ہوگیا۔ مروان جب مہدی عباسی کے دربار میں اس کی مدح میں قصیدہ پڑھکر انعام کا متوقع ہوا تو مہدی نے کہا کہ تم خود کہہ چکے ہو کہ معن کے بعد داد و دہش کا خاتمہ ہوگیا، اب داد و دہش کہاں ہے۔ اس سال مروان کو دربار سے ناکام واپس جانا پڑا۔ دوسرے سال مروان پھر آیا اور اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ مہدی نے تھوڑا سا سن کر دریافت کیا کہ تمہارے قصیدہ کے کتنے شعر ہیں۔ مروان نے عرض کیا، ایک سو۔ مہدی نے حکم دیا کہ اس کو فی شعر ایک ہزار درہم دیئے جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ عباسی عہدِ حکومت میں یہ ایک لاکھ درہم کا پہلا انعام تھا (ابن خلکان)۔

سکہ یحییٰ برمکی ہارون الرشید عباسی کا عالم فاضل اور فیاض وزیر اور فضل اور جعفر سے مشہور بیٹوں کا باپ تھا۔

یگانۂ کہ زبیگانگی نشاں بگزاشت | کشاد بر رخ ہرکس درِ تولا را
باو شرف زنشان و نگین و تمغا نیست | شرف ازاوست نشان و نگین و تمغا را

بیانِ مدح تمامش نہ حدِ امکان ست
بہ بند محویِ ناداں زبانِ گویا را

برائے نذر تو شاہا سخنورانِ کہن | سپردہ اند بمن بندہ ایں گہرہا را[ا]
(حافظ) صبا بہ لطف بگو آں غزالِ رعنا را | کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ ما را
(فیضی) تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ میدانی | تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را
(صیدی) امید وصل ندارم بدوستی سوگند | اسیرِ عشق نمی داند ایں تمنا را
(ظہیر فارابی) جزائے حسنِ عمل بیں کہ روزگارِ ہنوز | خراب می نکند بارگاہِ کسریٰ را
(نظیری) زنقطہ حرف شناساں کتاب داں شدہ اند | بچشم کم منگر نقطۂ سویدا را
(غالب) فروختیم متاعِ سخن بدیں فریاد | کہ قدر دانِ شناسندہ گُنِ کالا را

(سلمان) بصورتیکہ تو خواہی و بناں خواہشت
ہزار سال بمانی ہزار معنیٰ را

ا ۵ اس قافیہ اور بحر کے جو بہترین اشعار اساتذۂ قدیم کے میری نظر سے گزرے، وہ اہل ذوق کی تفریح طبع کے لئے یہاں بطرز مناسب پیش کر دیئے گئے ہیں ۱۲

نظم نشان (۴)

بہ تقریبِ سال گرہ مبارک ۱۳۴۰ھ

قصد مقام صبر و رضا کردہ ایم ما — بر ہر عطائے دوست دعا کردہ ایم ما

آوردہ ایم ہدیہ بہ ہر نازِ او، نیاز — بر ہر ادایش شکر ادا کردہ ایم ما

ناموس خانوادہ و عزّ و وقارِ علم — بر دوست ہر چہ بود فدا کردہ ایم ما

اقرار بے گناہیِ خود، جز گناہِ عشق — با صد ہزار صدق و صفا کردہ ایم ما

ہاں سرخوشی و رندی و مستی و عاشقی — ایں حملہ کردہ ایم و بجا کردہ ایم ما

جشنِ ولادتِ شہِ عثماں علی ست، باز — ہنگامۂ نشاط بپا کردہ ایم ما

سرمستِ عشرتیم و مئے خوش گوار عیش — با نائے و چنگ بذل و سخا کردہ ایم ما

بے مایہ بود واعظِ خود سر، زیکِ دو جام — بیچارہ را بساز و نوا کردہ ایم ما

در بزم وعظ، شیخ بہ افسردگانِ چند — مے وعدہ کردہ بود وفا کردہ ایم ما

لہ . . . .

در آرزوی بخشش و عفو خدا ئگاں — گر کردہ ایم جرم و خطا کردہ ایم ما

یک عمر صرفِ خدمتِ ایں آستانہ شد — تا مو سپید و پشت دو تا کردہ ایم ما

لہ یہ قصیدہ ۲۴ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ کو ایک درخواست کے ساتھ گزرانا گیا تھا جو اشعار چھوڑ دیئے گئے ہیں ان میں اسی درخواست کا تذکرہ تھا۔

پاسِ نمک، حفاظتِ حق، بندگیِ شاہ — داند خدا چہ کردہ چہ ناکردہ ایم ما
در گلستانِ مدحِ خداوند، ہمسری — با عندلیب نغمہ سرا کردہ ایم ما
مقبول باد عذرِ پراگندہ خاطری — گر لغزشے بمدح و ثنا کردہ ایم ما
آمیں شنیدہ ایم ز روحانیانِ قدس — ہر جا کہ بہرِ شاہ دعا کردہ ایم ما

محوی گناہ چیست، ز دستِ خدائگاں
گر انتظارِ فضلِ خدا کردہ ایم ما

نظم نشان (۵)

بہ تقریبِ سالگرہ مبارک ۱۳۴۳ف برمصرعہ طرح فرمودہ سرکار دام اقبالہٗ

بقیدِ هفت بیت

بپا جشنِ ہمایونست از فضلِ خدا امشب — دگرگونست دل آویزیِ ارض و سما امشب
زمیں در حالتِ وجد و طرب مستانہ می جنبد — پئے عیشِ جہاں عام ست از گردوں صلا امشب
کہ افشاندہ ست دامانِ تلطف بر سرِ عالم — کہ می خیزد نشاط انگیز ہر موجِ ہوا امشب
ز سر پا کردہ می آیند از ہر سو ہوا خواہاں — نمی دانند ایں دلدادگاں سر از پا امشب
ز فیضِ عام و بخششہائے بے اندازۂ شاہی — بصد برگ و نوا گردیدہ مردِ بے نوا امشب
رہِ عشاق را یک پردہ بالاتر بزن مطرب — کہ می رقصد شرابِ عیش در مینا نہا امشب
بگوشم می رسد آوازِ تحسینِ سخن سنجاں — غزلخوان ست شاید محوی شیوا نوا امشب

نظم نشان (۶)

اولیں نظمے ست کہ بشرفِ باریابی سرفراز شدہ عرض نمودہ شد
یکم شوال ۱۳۳۵ھ

پیری و ضعیفی ست نہ زور ست نہ مال است — لب تشنہ و جاں سوختہ ام بادہ سوال ست

اے ساقیِ دریا دلِ ما خیز کہ امروز — عیدست و بہارست و روانِ ما دِ شمال ست

ہر گل کہ سر از شاخ کشد شاہدِ رعناست — ہر تار کہ از ابر چکد عقدِ لآل ست

برخیز بصد ناز و دو سہ جام بپیما — زاں بادہ کہ در مشربِ ہر چار حلال ست

بر یاد رخِ حضرتِ عثمان علی خاں — کو پاک دل و پاک گہر، پاک خیال ست

گردونِ وفا، مہرِ عطا، ماہِ فتوت — دریائے کرم، بحرِ سخا، ابرِ نوال ست

از سایۂ اوہست برومند جہانے — ہر چند ہنوز او بجہاں تازہ نہال ست

برخوشتن اے خاکِ دکن بال کہ امروز — عنقائے شرف بر تو کشادہ پر و بال ست

در مدح تو اے شاہ ندانم چہ سرایم — در شرحِ کمالِ تو مرا ناطقہ لال ست

در عہدِ تو آسودہ ہمہ رکنِ شریعت — وز ملک تو آوارہ ہمہ کفر و ضلال ست

ہر نقطۂ رنگیں کہ ز کلکِ تو تراود — بر چہرۂ رخشائے فصاحت خد و خال ست

در خیلِ ثنا خوانِ خودش گیر کہ محوی[1] — شیریں سخن، اعجاز بیاں، سحر مقال ست

---

[1] یہ نظم اور خاص کر یہ شعر میری زندگی میں ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس نظم کے پیش ازم

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۶)

از عہدِ قدیم ست ثنا خوان و دعا گو | ہم خادمِ دیرینہ و ہم خیر سگال ست

یارب بجہاں باد بقائے تو باقبال

تا از مہ و خورشید شمارِ مہ و سال ست

نظم نشان (۷)

در تہنیت سال گرہ مبارک رجب ۱۳۴۲ھ

جعدِ بلندِ او دلِ مضطر گرفتہ است | شاہینِ حسن بیں کہ کبوتر گرفتہ است

حبل المتین صبر مرا زدر پنجہ اش | با تارِ عنکبوت برابر گرفتہ است

سرمی کشد بچرخ بریں از غرورِ حسن | آبِ رخش طبیعت آذر گرفتہ است

بے پردہ جنبش از درو بام ست جلوہ گر | با صد ہزار پردہ کہ بر در گرفتہ است

آں نازنیں سوار کہ اقلیم ہائے دل | بے یاری و حمایتِ لشکر گرفتہ است

تازش نگر کہ خاکِ مرا می دہد بباد | ہر چند خود ز خاکِ مرا بر گرفتہ است

شادم بایں کرشمہ کہ خود وعدہ نداد | از ما اگرچہ وعدہ مکرر گرفتہ است

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) اس کے پسند کئے جانے کے متعلق جب میرے قدیم عنایت فرما رضی الدین احمد صاحب المخاطب بہ عماد جنگ ثانی کو جو میری بدقسمتی سے اس زمانہ میں کوتوال بلدہ ہو گئے تھے، اطلاع ملی تو انھوں نے بہت پیچ تاب کھایا اور اپنے ایک رازدار دوست سے جو الفاظ فرمائے ان کا اعادہ بے سود ہے اس کے بعد انہیں جو کچھ کرنا تھا وہ انھوں نے کیا اور خدا کو جو کچھ کرنا تھا وہ خدا نے کیا اور خدا ہی کا کرنا سب پر غالب رہا۔ یہ موقع اس دلخراش داستان کے چھیڑنے کا نہ تھا مگر میری تمام نظموں میں جا بجا اس واقعہ اور اس کے نتائج کی طرف اشارے موجود ہیں، اس لئے مجملاً اس قدر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

بیچارہ عاشقے کہ بامیدِ یک نگاہ
دل از نعیمِ ہر دو جہاں بر گرفتہ است

محوی کجا رود زدرش چوں زابتدا
یک در گرفتہ است وہمیں در گرفتہ است

بگذار حسن و عشق، سخن از نشاط گو
چوں ایں ہوا بمغزِ جہاں در گرفتہ است

جشن ست بزم رونقِ دیگر گرفتہ است
ساقی بجلوہ آمد و ساغر گرفتہ است

بربط نواز بربطِ ہجراں کشیدہ را
چوں یار، برکشادہ و در بر گرفتہ است

مطرب بشعرِ دلکش و آوازِ دل فریب
راہِ مدیحِ **شاہ** مظفر گرفتہ است

شاہ زمانہ حضرتِ **عثماں** کہ ذکرِ او
از شرق تا بغرب سراسر گرفتہ است

ہر جا کہ شورِ نعرۂ اللہ اکبر ست
نامش خطیب بر سرِ منبر گرفتہ است

در ارتفاعِ ملت و در ارتقائے قوم
قصب السبق ز طغرل و سنجر گرفتہ است

جز دستِ او کجاست، دریں تیرہ روزگار
دستے کہ دستِ دینِ پیمبر گرفتہ است

عنقائے ہمتش پئے احرازِ نام و ننگ
اسلام را چو بیضہ تہِ پر گرفتہ است

از نیّرِ توجّہِ گیتی فروزِ او
شمعِ علوم زندگی از سر گرفتہ است

آراست ہم معاش ازاں ہم معادِ ملک
بنگر، بیک کرشمہ دو کشور گرفتہ است

مشاطۂ سلیقۂ او روئے شہر را
ہمچوں عروس در زر و زیور گرفتہ است

نازم براں لطافت و شیرینیِ سخن
گوئی کہ در دہاں ہمہ شکر گرفتہ است

ہم دادہ است دادِ سخن، ہم بہائے شعر
گر ہدیۂ سخن ز سخنور گرفتہ است

روزِ ازل ز حضرتِ دارائے دو جہاں | عقلِ حکیم و بختِ سکندر گرفتہ است
منکر گماں مبر کہ نہنگِ مبالغہ | در بحرِ مدح پائے شناور گرفتہ است
ہر انچہ گفت محوی آزادہ دیدہ گفت | بر ناطقہ ز باصرہ محضر گرفتہ است

صد سال زی کہ بہرِ تو شاہا! دعائے ما
منشورِ طولِ عمر ز داور گرفتہ است

نظم نشان (۸)

در تہنیت سال گرہ مبارک و ذکرِ رونق افروزی اعلیٰ حضرت بدہلی ۱۳۴۴ھ

فصلِ گل آمد دگر پہنائے عالم روشن ست | مخیمِ رندانِ میکش باز صحنِ گلشن ست
بر یمیں بادِ شمال و بر یسار آبِ رواں | زیرِ پا فرشِ زمرد بر سرا بر بہمن ست
شبنمِ شاداب افشاندہ ست خرمہنا گہر | زاں گہر دشت و جبل پر کردہ جیب و دامن ست
بلبلِ باغِ محبت می سرا ید ایں غزل | بادمی رقصد بشادی شاہدِ گل کفزن ست

(غزل)

ہر ادائے نازت اے نازآفریں برق افگن ست | تا توئی پیشِ نظر ہر دشت دشتِ ایمن ست
جلوہ گاہ حسنِ تو تنہا نہ باغ ست و بہار | منظرِ زیبائے تو ہر کوچہ و ہر برزن ست
ہر کسے داند بسوئے خود رخِ تابانِ تو | ہیچو آں شمعے کہ پیشِ اہلِ محفل روشن ست
در حریمِ سینہ می سوزم چراغِ داغِ عشق | در چراغِ زندگی تا قطرۂ از روغن ست

غیرِ انساں نیز در بازارِ عالم جنس‌ہاست ‏ گرمیِ بازار را لیکن سبب این یک تن ست

اے سزاوارِ شرف دستے برآر از آستیں ‏ تا شود پیدا کہ مردے اندریں پیراہن ست

عشق پیدا کن کہ در عشق ست لذتہا بسے ‏ سوز و سازِ عاشقی روشنگرِ جان و تن ست

چشم بند از خلق تا بینی رموزِ کائنات ‏ چشمِ سر بستن ز عالم، چشمِ دل وا کردن ست

تخمِ نیکی کار اینجا گرچہ باشد کم ز جو ‏ آنچہ کاری دانہ است امروز، فردا خرمن ست

دستگیرِ ہمنشیں شو، کم مباش از چوبِ خشک ‏ چوب در دریا نگر، چوں دستگیرِ آہن ست

شد تہی خمخانۂ ایام از صہبا چہ لال ‏ راست گر پرسی دریں ایام صہبا چید لدن ست

می دہد ہر تشنہ لب را جامہا، از بادۂ ‏ کاں روان افروز، عشرت آور و غم افگن ست

جز یکے خورشید، خورشیدے دگر پیدا نکرد ‏ عمرہا بگذشت می گویند شب آبستن ست

آفتابِ دین و دولت، شمعِ بزمِ علم و فن ‏ نیست جز شاہِ دکن، بر اہلِ عالم روشن ست

حضرت عثماں علی خاں، آنکہ ذکرِ خیرِ او ‏ چار سو پرشیدہ در عالم چو بوئے چندن ست

از کتابِ فضلِ بے اندازۂ شاہانہ اش ‏ ہر حکایت دلکش ست و ہر روایت احسن ست

پادشاہِ ماست یا ہارون و یا مامونِ عہد ‏ حیدرآباد ست یا علم و ہنر را معدن ست

جشنِ میلادِ شہِ والا ست، در بزمِ طرب ‏ یا صدائے زندہ باش و یا صدائے ارغن ست

ذکرِ سفرِ مبارک

شہسوارِ ما کمر بستہ است بر عزمِ سفر ـــــ یمنت جائے جنیبت، فتح جائے توسن ست

بر سرِ تاجِ شہامت سایۂ بالِ ہما ست
زیرِ پائے توسنِ اقبال فرقِ دشمن ست

رونقِ بازوئے پرزور ست گر حرزِ دعا
عقدِ حسنِ اعتقادِ خلق زیبِ گردن ست

زیں ہمہ بگزر دعائے خلق بہرِ پادشاہ
ہم فسونِ تیغ بند و ہم دعائے جوشن ست

تا ابد پائندہ بادا بارگاہِ آصفی
کاں غریباں راست ملجا، بیکساں را مامن ست

جزرِ فنِ مہر و وفا از محویِ مسکیں مجو
نیک میدانی کہ آں بیچارہ مرد یک فن ست

نظم نشان (۹)

در تہنیت جشن سال گرہ مبارک سنہ ۱۳۳۶ف

تا عشقِ تو روشنگرِ آئینۂ جان ست
ہر جوہرِ حسنش کہ نہاں بود عیان ست

در چشمِ فسوں سازِ تو گر آبِ بقا نیست
از چیست کہ ہر موجِ نگاہت رگِ جان ست

لطفِ تو نہ تنہاست رواں پرورِ عالم
ہم قہرِ تو اے آفتِ جاں راحتِ جان ست

حسنِ تو گلستانِ جنان ست کہ آں را
نے ذوقِ بہار ست نہ اندوہِ خزان ست

سود است وصالِ تو، زیان ست فراقت
جز ایں نشناسم کہ چہ سود و چہ زیان ست

از بندۂ مجبور چہ پرسی ز بد و نیک
چوں رشتۂ توفیق بدستِ دگران ست

غافل مشو از عشق کہ ایں عشقِ فسونگر
دردے ست، چہ دردے کہ دوائے تن و جان ست

افتادہ بہ ہر زاویہ دلہائے شکستہ
کوئے تو مگر کارگہِ شیشہ گران ست

از قافلهٔ رفته نه دانم نه که پرسم؟ | زنگوله خموش ست و جرس بسته زبان ست

بی مهریِ گردون و جفا کاریِ اعدا | چون فضلِ خداوند که بیرون ز بیان ست

دارائے دکن حضرت عثمان علی خاں | کو بانیِ امن ست و مبانیِ امان ست

هر دم بزبان ست مرا مدحِ تو ای شاه | هر چند که مدح تو نه یارائے زبان ست

دارم هوسِ مدح تو هر چند که نطقم | ژولیده و پیچیده تر از زلفِ بتان ست

بر رائے عوام هر چه که پیدا ست هویدا ست | بر رائے تو هر آنچه نهان ست عیان ست

با عقلِ تو عقلِ عقلا هیچ میرز ست | با علم تو علم علما هیچ مدان ست

فضل ست که از فضلِ تو شد شهرهٔ آفاق | عدل ست که از عدل تو با نام و نشان ست

هر نظم تو فصلے ز بدیع ست و بلاغت | هر شعر تو شرحے ز معانی و بیان ست

از جورِ حریفانِ سیه کار چه پرسی | این قصهٔ پارینهٔ گرگان و شبان ست

از تهمتِ اعدائے فسون ساز چه ترسی | چون دامنِ تو پاک تر از آبِ روان ست

جز شور و شر از حاسدِ بیچاره چه خیزد | مه نور بعالم فگند سگ به فغان ست

از همتِ مردانه مکش دست که در دهر | اندازهٔ هر کار باندازهٔ آن ست

از چشمِ بداندیش میاندیش که سویت | آن چشم که یک لحظه نخوابد نگران ست

مردانِ فلک مرتبه را در صفِ هیجا | هر زخم که آید بجبیں کاهکشان ست

آن گرد که خیزد ز سمِ اسپ سواران | در معرکه آرایشِ رخسارِ یلان ست

سرزد به تولّائے تو از مشرقِ طبعم | این مطلعِ تابنده که خورشیدِ جهان ست

جشن ست و نشاط ست و جہاں باز جوان ست
آمادۂ صد عیش زمین ست و زمان ست

آں دخت کہ دیروز بہ خُم حجلہ نشیں بود — امروز بگردش خوش پیر و جوان ست
از بادِ بہار ست چناں ہر روشِ گل — گوئی کہ چمن بزمگہِ بادہ کشان ست
از بذلِ غریباں نشود بادہ بہ خم کم — این نکتہ مرا گوش زد از پیرِ مغان ست

ذاتِ تو باوصافِ کریماں بجہاں باد — تا نامِ کریماں زکریمی بجہان ست
مقبولِ نظرِ خاطرِ مجموعِ تو بادا
این نظم کہ از محوی آشفتہ بیان ست

نظم نشان (۱۰)

بہ تہنیت عید الفطر ۱۳۳۸ف

از زلفِ سراسیمہ ز بالا بہ بلا داشت — جز این و جفا دوست جفائے نہ روا داشت
مالبستۂ زلفیم کہ دل را بہ ادا برد — ماکشتۂ چشمیم کہ انداز حیا داشت
جاں خواست جراحت، نہ جراحت کہ رفو جست — دل کرد طلب درد، نہ دردے کہ دوا داشت
گاہے نفسِ سرد و گہے اشکِ ندامت — پروردۂ ملکیم کہ این آب و ہوا داشت
جز از حرمِ کعبہ نگردند تماشا — ہر چند کہ اورنگِ تماشا ہمہ جا داشت

یک حرف بہ تسکینِ دلِ خستہ نہ فرمود — آں لعل کہ از بر ہمہ قانون شفا داشت
بر شاہ سعید آمد و بر ملک ہمایوں — ایں عید کہ سرمایۂ صد مجد و علا داشت
مقصود ز شہ حضرت عثمان علی خاں ست — کو دولت و اقبال بتائید خدا داشت
ہر کار کہ او کرد ہمہ بذل و عطا بود — ہر عہد کہ او بست ہمہ صدق و صفا داشت
با تاب و تواں گشت ز بازوش عدالت — بے برگ و نوا از کرمش برگ و نوا داشت
ہم عقل حکیمانہ و ہم طبع سخن سنج — ہم حفظ گراں پایہ و ہم ذہن رسا داشت
از بسکہ ز توقیر و شرف کعبۂ جاں بود — دلہا بسوئے خود صفتِ قبلہ نما داشت
در سایۂ او علم و ہنر بال و پر آورد — آں سایہ مگر خاصیتِ بالِ ہما داشت
ایں گل ز کجا بود ندانم کہ دریں فصل — ہم رنگ دل آویزی و ہم بوئے وفا داشت

در مدح اگر طول نہ زد حرف عجب نیست
محوی کہ ہمہ نطق و بیاں صرف دعا داشت

نظم نشان (۱۱)

حسب ایمائے اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی بہ مشاعرہ سال گرہ مبارک منعقدہ عالی جناب سر مہاراجہ یمین السلطنت خواندہ شد

سنہ ۱۳۴۲ ف

ایمنِ گنجِ دو عالم وجودِ انساں ست ــــــ ہمیں کلید نہانخانہائے امکاں ست

جہان فضل و کمالش چو بنگری بینی | کہ ذرہ ذرہ آں آفتاب تابان ست
دخاں مسخر او گشت، برق فرماں بر | قضا بجا کری او، ہوا بفرمان ست
زہے زمانہ کہ خیل ہنروراں امروز | بزورِ عقل توانا تر از سلیمان ست
گماں مبر کہ دریں کار دستِ قدرت نیست | کرشمۂ خرد ست ایں، خرد ز یزدان ست

گزر ز ذکرِ عروجِ ہنروران و ہنر
ز حسن و عشق سخن گو کہ روح و ریحان ست

ز دل مپرس مسلماں کہ نا مسلمان ست | ہمیں بس ست کہ از جاں فدائے جانان ست
حکایتِ دلِ پرخون و دیدۂ خوں ریز | ہماں حکایتِ گلچین و گلفروشان ست
نظارہ گاہِ جہاں بود جلوہ گاہِ بتاں | حریمِ دل کہ کنوں خانقاہِ ویران ست
حدیثِ حسنِ تو یارب کہ در چمن آورد | کہ غنچہ بستہ، گل آشفتہ، لالہ حیران ست
ز دید لالہ و ریحاں کجا شود مسرور | نگہ کہ خوگرِ حسنِ بہارِ خوبان ست
شگوفہ می برد اندیشہ را بسوئے دہاں | بنفشہ یاد دہِ زلفِ عنبر افشان ست
کجا شکیبِ قتیلِ نگاہِ الفت را | ز نرگسے کہ بہ ترکیبِ چشم فتان ست
ز خارِ خشک چہ رانی سخن کہ ہم گلِ تر | ز عندلیب جگر خوں کشیدہ دامان ست
رسیدہ ام بمقامِ فسردگی کہ دراں | نہ برق خندہ زن ست و نہ ابر گریان ست
بجائے کہ منم قہر و مہر ہر دو یکے ست | برتبہ کہ توئی شکر و شکوہ یکسان ست
مدارِ چشمِ زلیخائے تن بعود شباب | ہنوز یوسفِ روحِ رواں بزندان ست

ز قرب ما من و پیدائی کناره چه سود — کنونکه کشتی عمر رواں بطوفان ست

رسید کوکبهٔ شہسوار حسن کجاست — کسے که گوئے زن عشق در میدان ست

کدام نشتر درد تو بر گلو زده اند — که سیل خون محبت رواں ز شریان ست

نه درد مند تو منت کش مداوائے — نه تشنهٔ تو طلبگار آب حیوان ست

جنوں نوازی و دل سوزی بیاباں را — ز قیس پرس که پروردهٔ بیابان ست

کجا کجا برم اندر جنوں گریباں را — دو دست منتظر اند و یک گریبان ست

قصور خاطر تنگ ست و دامن کوتاه — وگرنه لاله و گل در چمن فراوان ست

بذیل عفو چه پوشد گناه ما واعظ — که خود تنش ز لباس عفاف عریان ست

گرفته است سراسر جہان عز و شرف — سخن که جوہر تیغ زبان انسان ست

نه عاقلی ست طلب کردن بہائے سخن — دریں زمانه که شعر از شعیر ارزان ست

بہائے شعر کجا داد شعر ہم ندہند — اگرچه شعر تو خوشتر ز درّ عمان ست

ہر آں دیار که خالی شد از سخن سنجاں — بہشت ہرزه سرا دوزخ سخنداں ست

به بزم شاه چناں سرخوش ست مرغ چمن — که زیر پردهٔ ہر برگ گل غزلخوان ست

بوصف ذات ہمایون پادشاه دکن — که فرد عہد خود ست و حکیم دوران ست

اساس معدلت ست و جہان علم و ہنر — سپہر مکرمت ست و محیط احسان ست

نقادهٔ ہمم ست و خلاصهٔ تدبیر — ستودهٔ خرد ست و گزیدهٔ جان ست

خرد پژوه، خرد پرور و خرد مایه — سخن شناس، سخن گستر و سخندان ست

چراغ روشنِ آں دودماں کہ صیتِ سخاش
گرفتہ ہند و دکن تا بحد ایران ست

فروغِ تازۂ آں سروراں کہ گردنِ ملک
زعقد منّتِ شاں زیر بارِ احسان ست

شہا بمدحِ تو ہر انچہ گفتہ ام صدق ست
مرا بگفتۂ خود صد ہزار برہان ست

بعدل و داد تو شکر ست بر ہمہ واجب
ز بذل و لطف تو انکار عین کفران ست

ضیائے عقل تو تاباں بسانِ خورشید ست
ہوائے لطفِ تو باراں چو ابر نیسان ست

بدست وار دلِ مستمند خلق خدا
ہمیں نگین و ہمیں خاتمِ سلیمان ست

خدا دہد بتو ہر آنچہ از خدا خواہی
دعاست مختصر و معنیش فراوان ست

بشب درست شد ایں سلکِ صبح آوردم
بہ نذرِ شاہ کہ جوہر شناسِ ایں کان ست

ازیں شرف کہ زمداحِ تو محوی یافت
ہزار منتش از روزگار بر جان ست

نظم نشان (۱۲)

بہ تہنیت عید اضحی ۱۳۳۴ف

ہزار راہ زہر سو بمنزلِ یار ست
چو بنگری ہمہ آفاق پر ز آثار ست

کہ جلوہ کرد کہ عالم منور ست ز حسن
کہ رخ نمود کہ گیتی برنگ گلزار ست

چہ مے کہ ریختہ ساقی بقالبِ خاکی
کہ مشتِ خاک ازاں مے ہنوز سرشار ست

کدام نغمہ کہ مطرب سرود در مستی
کہ مست و بیخود ازاں نہ سپہر دوار ست

کہ تاب دادہ دگر بار زلف مشکیں را
کہ باز دامنِ دل پر ز مشک تاتار ست

چه صنعت ست که برپاست بے ستون ایں سقف ✤ فدائے صنعت او، ایں کدام معمارست

بوصفِ او چه شوم تر زبان که در وصفش ✤ هر آنچه مے نگری بے زبان گفتارست

بگوشِ بنده ندائی سروشِ عالمِ غیب ✤ چه گفت - گفت که عالم طلسمِ اسرارست

بزورِ عقل نه بکشاید ایں طلسم کسے ✤ ز عقل دم مزن اینجا که عقل ناچارست

مشو فریفتهٔ حسنِ دل کشِ دنیا ✤ که ایں ضعیفهٔ دیرینه سخت مکّارست

قدم شمرده بنه در سفینهٔ اعمال ✤ هوا مخالف و دریا بجوش و شب تارست

نگاه دار دلِ همرهانِ سست قدم ✤ تو تند می روی و آبگینه در بار[1]ست

لبِ پیاله چه بوسی که از مئے دوشیں ✤ هنوز تلخی و ترشی بکامِ میخوارست

حدیثِ عشق چه گوئی که ایں حدیثِ شریف ✤ بیانِ مدحتِ شاهِ زمانه دشوارست

جنابِ آصفِ هفتم، خدیوِ ملکِ دکن ✤ که بهرِ او همه مدح و ثنا سزاوارست

---

[1] حضرت رسالت پناہ صلعم کے ساربانوں میں ایک شخص "انجشہ" نامی تھا جو بہت خوش آواز تھا جب وہ حدی گاتا تھا اونٹ مست اور بہت تیز ہو جاتے تھے۔ ایک سفر میں اس نے گانا شروع کیا اور جس اونٹ پر حرم محترم تھے وہ ضرورت سے زیادہ تیزی کرنے لگا تو آپ نے فرمایا "رُوَیدَکَ یا انجشہ لا تکسر القواریر" یعنی اے انجشہ آہستہ ایسا نہ ہو کہ شیشے ٹوٹ جائیں۔ شیشوں سے آپ کا مقصد کجاوہ نشین بیبیاں تھیں۔ اس حدیث سے اکثر عربی اور فارسی شعرانے مضامین اخذ کئے ہیں اُردو میں بھی اس کو میر انیس مرحوم نے بہت خوبی سے ادا کیا ہے ؎

خیال خاطرِ احباب چاہیے ہر دم ✤ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

زرائے مملکت آرائے او بجائے ذہن | بہر کجا کہ قدم می نہی ہمن زا رست
ہم اوست باعثِ توقیرِ ملتِ بیضا | ہم او معاون دینِ رسولِ مختار ست
وجودِ اوست کہ زاں روشن ست گوشۂ ہند | وگرنہ مطلعِ اسلام تیرہ و تار ست
زماں زماں صفتِ بادشاہ می گویم | زبانِ بندہ تو گوئی پئے ہمیں کار ست
پس ثنا ست دعائے درازیِ عمرش | کہ عمرِ او ہمہ صرفِ رضائے دادار ست

نشاطِ عید پئے بادشاہ و محوی را
ہمیں بس ست کہ او شادمان ز دیدار ست

نظم نشان (۱۳)

در تہنیت عید اضحیٰ ۱۳۴۶ھ

باز گیتی مایۂ نشو و نما آوردہ است | شاخِ بے برگ و نوا برگ و نوا آوردہ است
از ہجومِ لالہ و گل، وز قدومِ نوبہار | بادِ نوروزی نویدِ جاں فزا آوردہ است
لازمِ حسن ست مستی، شاہدِ گل را ازاں | شاخِ گل سرمست بر دوشِ صبا آوردہ است
زرد روئے در خزاں، نے سرخ پوش اندر بہار | باغباں چوں سرو مارا یک قبا آوردہ است
تشنہ کامانِ محبت را، برائے امتحاں | یار ما صد بار در کرب و بلا آوردہ است
علتِ ہر دردِ خود بینی ست، واں در عشق نیست | عشق گوئی بہرِ ہر دردے دوا آوردہ است
بستۂ فتراکِ عشقیم و نمی دانیم دوست | می برد مارا کجا و از کجا آوردہ است

می شوم بارِ دگر مفتونِ آں شوخے کہ او | بست نے عہدے نہ عذرِ ماجرا آوردہ است
در حریمِ بندگی بہرِ دعاگویانِ شاہ | خود شگافِ سینہ محرابِ دعا آوردہ است
حضرتِ عثمان علی خاں، آصفِ ملکِ دکن | آنکہ در نظمِ جہاں فکرِ رسا آوردہ است

شاہِ ما دانی کہ از فطرت چہا آوردہ است
عقلِ دُور اندیش و رائے بے خطا آوردہ است

در رگ و پے خون و ہم خوں گرمیِ آں رسول | در دل و جاں و رد دینِ مصطفٰے آوردہ است
جزم از عزمِ حسینؑ و لینت از خوئے حسنؑ | ہمتِ مردانہ از مشکل کشا آوردہ است
از تکلف ہائے بے معنیٰ ست ہر دم محترز | در تنِ شاہانہ روحِ اتقیا آوردہ است
از بنا ہائے متین و ز بند ہائے آبگیر | سیل بر عہدِ خود از آبِ بقا آوردہ است
بہرِ شرقی فرزانہ سلطان العلوم | از علومِ مغربی[1] گنجینہا آوردہ است
در گلستانِ فصاحت خامۂ گلریز او | صد نوا چوں بلبلِ شیریں ادا آوردہ است
مدحِ بے پایانِ شہ محوی ندارد انتہا | لاجرم مداح رو سوئے دعا آوردہ است

شاہ را ہر لحظہ دارد برمرادش کامیاب
آنکہ از یک لفظِ "کن" ارض و سما آوردہ است

[1] دار الترجمہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت بندگانِ عالی کی شاہانہ توجہ سے مغربی علوم کی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکی اور ہو رہی ہیں۔

نظم نشان (۱۴)

به تهنیت سال گره مبارک سنه ۱۳۳۶-۳۷ ف

بدوست یا ندارم مرا چه پیوندست — جز این دو حرف که من بنده او خداوندست

زمنکراں نه ہراسم که بر محبتِ من — نگاهِ شوق گواه است و اشک سوگندست

تفاوت ست بسے درمیانِ عشق و ہوس — ہوس اگرچه بظاہر بعشق مانندست

چگونه از خم و پیچِ بلا رہا گردد — دلے که در شکنِ زلفِ پرشکن بندست

حدیثِ آں لبِ شیریں که درچمن آورد — که گل فشاند شکر غنچه در شکر خندست

بجلوه گاهِ جمالش چه بنگری کانجا — خرد رمیده و پیکِ نگه نظر بندست

برنگِ شمع بروئے زمانه می خندیم — زاشکباریِ ما گر زمانه خرسندست

بدامنِ ترِ ما شعله در نمی پیچد — وگرنه آتشِ سینا ہنوز در زندست

زباں مبند ز ذکرش که یار می فهمد — زبانِ عشق اگر تازیست ور زندست

کجا کجا بزند بخیه سوزنِ تدبیر — که چاک چاک ز دستش ہمه جگر بندست

به پندِ غیر چه حاجت که بہرِ اہلِ نظر — جہاں و ہرچه درو ہست پند در پندست

زمانه با تو نسازد تو با زمانه بساز — صلاحِ ما در گیتی ہمیں لغرزندست

سخن ز دردِ دلِ خویشتن مگو امروز — که جشنِ مولدِ شاه است و خلق خرسندست

شہے که با ہمه نوخیزی و جواں سالی — بسانِ پیرِ جواں دانش و خردمندست

برابرست بدلش امیر اطلس پوش | بہ آں گدا کہ بدلقش ہزار پیوندست
کشیدہ خوانِ عطارا بایں کشادہ دلی | کہ بسط آں زسراندیپ تا سمرقندست
ازاوست چشم ہنرپروری نہ از دگراں | ہنر بہ پروردہ آنکس کہ خود ہنرمندست
خطاب اوست پئے دل شکستگاں دارو | سخن زفرطِ لطافت ہمہ گل و قندست
نوائے دل کش ازیں بہ چہ گوش گل شنود | زبلبلے کہ سرآشفتہ دل پراگندست
مراکشید ہوائے یگانگیٔ محوی | دراں دیار کہ بیگانہ خویش و پیوندست
برائے شاہ دعامی کنم کہ نخلِ دعا | زآبِ دیدہ چہ سیراب شد برومندست

نظم نشان (۱۵)

کہ از لکھنؤ گزرانیدہ شد غالباً سنہ ۱۳۳۱ ف

ہرکرا روئے یار درنظرست | فارغ از دید جلوۂ دگرست
در سرِ عاشقانِ پختہ خیال | ہرچہ جز یارہست دردِ سرست
حاصلِ باغِ زندگی دروست | دلِ بےدرد، نخلِ بےثمرست
جنت از لطفِ دوست یک پرکاہ | دوزخ از قہرِ یار یک شررست
مانہ سرمست بادہ و جامیم | نشۂ ما زعالمِ دگرست
چارہ گرہم لبوئے دل نظرے | کہ دلم خستہ ترہم از جگرست
نگزارد قدم زجادہ بروں | ہرکرا خضرِ شوق راہبرست

جوہرِ شوق و گوہرِ اخلاص | پاک چوں جانِ شاہِ دادگرست
میر عثمان علیؔ خدیوِ دکن | کہ بعالم بہر دمی سمرست
میر دو نام او زملک بملک | در حضر خویش و نام در سفرست
نامِ نیکیش گرفتہ است جہاں | زیں سفر کاں وسیلۂ ظفرست
دلِ او صاف، رائے او روشن | عقلِ او تیز، چشمِ حق نگرست
ملک را کارساز و کارکشا | قوم را چارہ ساز و چارہ گرست
حیدرآباد زیرِ سایۂ او | منبعِ فضل و چشمۂ ہنرست
گردِ او اہلِ فضل ہالہ زدہ | او خود اندر میانہ چوں قمرست
مہ مگو آفتابِ عالم تاب | بمثل در سپیدۂ سحرست
عہدِ مامون و روزگارِ رشید | چشمِ بد دور باز در نظرست
می کند سنجری و در خیلش | انوری و معزّی و عمرست
می کند اکبری و در بزمش | صدر چوں فیضی و فضل و بیربرست

می کند قہر و می نوازد نیز | قہر او قہر مادر و پدرست
ہم عتابش خبر دہد از لطف | ہمچو تندر کہ مخبرِ مطرست

اے شہِ دیں پرست، قوم پناہ | گرچہ بر پایہ ہند شور و شرست

تا توئی ناخدا سفینۂ ما | از نہنگانِ بحر بے خطر ست
ملک آسودہ از نزولِ بلاست | تا چو تو سایۂ خدا بسر ست
می رود کاروانِ دیں بے باک | تا چو تو رہنما و راہبر ست
کم نہ وصفت، نہ نطق من قاصر | چکنم وقت را کہ مختصر ست
بہ کہ دستے برآورم بدعا | کہ دعاہائے خستہ را اثر ست
باد حکمِ تو در جہاں نافذ | تا زمیں زیر و آسماں زبر ست
محوی خستہ باد مدح سرا | تا بکامش زبانِ نکتہ ور ست

نظم نشان (۱۶)

سنہ ۱۳۳۱ ف

(یہ پہلی نظم ہے جو لکھنؤ سے واپسی کے بعد ملاحظۂ اقدس میں گزرانی گئی تھی)

شہ سلیمان زمان ست و مسیحِ زمن ست | حامیِ ملت و دیں ماحیِ کفر و فتن ست
در تنِ مردۂ ایں بندہ دگر روح دمید | ذکر ایں معجزۂ تازہ بہ ہر انجمن ست
گفت میکال، مبارک کہ براتِ رزقت | باز بر دولتِ پائندۂ شاہِ دکن ست
نیست ممکن کہ ترا جاں دہد و ناں ندہد | آنکہ روزی دہِ یک مملکتِ مرد و زن ست
گفتمش ہیچ ندانی کہ شہ از عہدِ قدیم | مالک و خواجہ و مختارِ خداوندِ من ست
ہر حکایت ز دل آویزیِ لطفش مرغوب | ہر روایت ز جہانگیریِ خلقش حسن ست

قلعہ بستۂ افسون عدومی شکند | زور بازوئے خداوند کہ خیبر شکن ست
در سخن پاسِ ادب از نادانی محوی | شاہ پیغمبر شعرست وخدائے سخن ست

نظم نشان (۱۷)

بہ تقریب رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مد ظلہ العالی

بہ بیدر بغرض افتتاح راہ آہن ۱۳۳۷ف

امروز از قدوم ہمایوں چہ گلشن ست | شہرے کہ یادگار ز شاہانِ بہمن ست
صد شکر شمع کشتۂ اقبالِ ایں دیار | امروز از فروغِ رخت باز روشن ست
باید شنید زمزمۂ شکر ایں قدوم | از بانیش کہ احمدِ[1] جنت نشیمن ست
باید نہاد گوش بر آوازِ آفریں | از خواجۂ جہاں[2] کہ بدانش سر آمن ست
آں جاں نثار ملک کہ از خونِ ناحقش | ایں سرزمیں چو دستِ عروساں ملوّن[3] ست
آں خفتگاں کہ دامنِ صحرائے ایں دیار | از مرقدِ منورِ ایشاں مزین ست
ابنائے روزگار کہ اندر فراقِ شاں | تا ایں زمانہ مادرِ گیتی بشیون ست

---

[1] احمد شاہ بہمنی جس نے گلبرگہ سے دار السلطنت کو بیدر میں منتقل کیا اور وہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں

[2] خواجہ جہاں محمود گاوان علیہ الرحمہ خاندان بہمنیہ کا مشہور و معروف وزیر تھا جسے محمد شاہ بہمنی نے اپنے عہد حکومت میں قتل کرا دیا

[3] بیدر کی مٹی گہرے سرخ رنگ کی ہے

شاہانِ بہمنی وگروہِ بریدیان — در مدحِ پادشاہِ زماں ایں نوازنست

نشوونمائے باغ تونی باغ گر جہانست — روحِ روانِ ملک تونی ملک گر تنست

ق

ہم می دود بخدمتِ تو قاصدانہ برق — ہم رہبرت بدشت وجبل راہ آہنست

دشمن اگر نہ چشم کند وا گناہِ اوست — ہر کار تو وگرنہ چو خورشید روشنست

بالجملہ ایں گروہ چو محوی پئے دعا — افراختہ دو دست و فراکردہ دامنست

نظم نشان (۱۸)

باظہارِ تشکر و امتنان نسبت صدور فرمان عطوفت نشان بعطائے خدمت

بہ بندہ زادہ رشید احمد ایم اے ایل ایل بی (علیگ) سنہ ۱۳۳۶-۳۷ف

در حقِ بندہ زادہ چو عزِ ورود یافت — فرمانِ شہ کہ موجبِ صد افتخار ہست

کردم دعائے دولت و گفتم کہ ایں عطا — درکارنامہائے کرم یادگار ہست

ہنگامِ انتشار و پراگندہ خاطری — سرمایۂ تسلیِ جانِ نزار ہست

امروز باز بندۂ دیرینہ سرفراز — از چشمِ التفات خداوندگار ہست

فضلش نخواست روزیِ ما تنگ تر کند — فقدانِ آں کفاف کہ در انتشار ہست

تابندہ باد بر سرِ عالم چو آفتاب — شاہِ دکن کہ تاجِ سرِ روزگار ہست

ہر رائے او چو رائے حکیم ست سودمند — ہر حکمِ او چو حکمِ قدر استوار ہست

محوی ترا ز گردشِ ہفت آسماں چہ باک — تا بر سرِ تو سایہ پروردگار ہست

نظم نشان (۱۹)

به تهنیت سال گره مبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۳۴۳ف بر مصرعہ طرح فرمودۂ سرکار

ع "سرمه در چشمِ حسیناں فتنهٔ خوابیده است"

دیدنی ها دیده و هم نادیدنی ها دیده است — دیدهٔ ما سیر از دیدِ جهاں گردیده است

زیں تماشا ها بسے دیدست، مردِ راهرو — در گزرگاهِ جهاں چوں دیر تر پائیده است

هیچ میدانی که ایں گلچینِ باغِ رنگ و بو — در بهارِ نوجوانی دسته ها گل چیده است

عمر ها خوردست با یاراں شرابِ حسن و عشق — سالها در دامنِ ناز و نعم خوابیده است

هر مئے دیریں که ساقی داشت در مینا چشیده — هر گلِ رنگیں که سرزد از چمن بوئیده است

ایں مسلمانِ تازه و دیرینه گبرِ بت پرست — در حریمِ کعبه هم عشقِ بتاں ورزیده است

بر دیارِ دل که اکنوں بینیش تاریک و تنگ — آفتابِ کامرانی سالها تابیده است

ریشهٔ نخلِ تمنا در گلستانِ خیال — بار ها پژمرده گشت و بارها روئیده است

داستانِ عهدِ گل اے عندلیب اکنوں چه سود — برفِ پیری بر سوادِ زندگی باریده است

رهروِ عمرِ رواں را در همیں منزل مدام — بارِ سر افتاد و پائے بارگی لغزیده است

بر بساطِ دهر چندیں مُهره ها بنشاند چرخ — چوں مژه برهم زدم آں مهره ها برچیده است

پرده چوں افتاد از چشمِ گمانم شد یقیں — کرده ها ناکرده است و دیده ها نادیده است

شمع را کردند قسمت گریهٔ شبهائے تار — در سزائے اینکه مسکیں یک نفس خندیده است

نالہا کردست عاشق در غمِ ہجرانِ دوست ‎ ہر کجا مرغِ چمن در یادِ گل نالیدہ است

عشقِ خوباں خانہ زادِ وامق و فرہاد نیست ‎ ایں پسر را مامِ فطرت بے پدر زائیدہ است

شہرۂ حسنِ ازل از شورشِ سودائے ماست ‎ گرمیٔ بازارِ گل از بلبلِ شوریدہ است

ساقیٔ رنداں کجائی، ساغرے پر کن کہ باز ‎ در سرم یکسر ہوائے مدحِ شہ پیچیدہ است

حضرتِ عثماں علی خاں پادشاہ دادودیں ‎ آنکہ شخصِ علم و فن را روشنی دیدہ است

گنج ہائے بیکران و نقد ہائے بیشمار ‎ حق برا و پاشید او در راہِ حق پاشیدہ است

تا برآورد دستِ دجلہ بار از آستیں ‎ چشمۂ جود و سخا ہر چار سو جوشیدہ است

ہر کجا بارید ابرِ فیضِ عالمگیرِ او ‎ سبزۂ شاداب و نخلِ بارور روئیدہ است

سر بسر آثارِ مردی و فتوت دیدہ اند ‎ اندراں میداں کہ رخشِ عزمِ او پوئیدہ است

جہل را کم کرد قیمت، علم را افزود قدر ‎ در ترازوے خرد چوں ہر دو را سنجیدہ است

فضلِ او گردید فرقِ بیوہ گاں را سائباں ‎ اشک از چشمِ یتیماں لطفِ او شوئیدہ است

در علوِ مرتبت پہلو بکیواں می زند ‎ از وجودش آں چناں خاکِ دکن بالیدہ است

در تنِ خاک ست جنبش از دمِ جاں بخشِ او ‎ آسماں استاد در عہدش، زمیں جنبیدہ است

خلق آرامیدہ در گہوارۂ امن و اماں ‎ چشمِ او بیدار و چشمِ فتنہ گر خوابیدہ است

در شمارِ عمرِ او یک صفر افزوں کردہ اند ‎ معنیِ جشن گرہ عاقل ہمیں فہمیدہ است

ہر کجا کردست مداحش بحقِ او دعا ‎ نعرۂ آمین و آمین از فلک بشنیدہ است

چوں نگردد کلکِ محوی در سخن شکر فشاں ‎ در مدیحِ پادشہ چندیں شکر خائیدہ است

نظم نشان (۲۰)

در تہنیت سال گرہ مبارک و ستائش سخنوری ممدوح

بر مصرعہ طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت ۱۳۴۸ھ

بتاب اے مہر ہنگامِ ظہور ست — جہانِ منتظر جویائے نور ست
برآمد از افق صبح سعادت — فروزان وادیِ فاران و طور ست
رواجِ جہل و ظلمت برطرف شد — متاعِ دین و دانش در وفور ست
عروجِ حکمتِ روحانیان ست — ز علمِ اہلِ یونان دل نفور ست
قرارِ نیک و بد از خویشتن نیست — سروشِ وحی کشافِ امور ست
فلک ہمت فزائے خیر و خوبی ست — جہاں بیگانہ از فسق و فجور ست
شہیدانِ اداہائے صفا را — حیاتِ جاودانی در حضور ست
نوائے دل کشِ اللہ اکبر — شفابخشِ جراحاتِ صدور ست
درِ میخانۂ وحدت کشادند — دلِ اہلِ یقیں وقفِ سرور ست
سوالِ مے ز ساقی ناروا نیست — کہ ساقی مہرباں دل ناصبور ست
اگر مے نیست چشمِ مست ساقی — "بقولِ شاہ صہبائے طہور ست"
خدیوِ پرہنر عثمان علی خاں — کہ فضلش مشتہر نزدیک و دور ست
مرصع نثرِ او چوں عقدِ پروین — مسلسل نظمِ او چوں زلفِ حور ست

درخشان ست اندر سلک نظمش
هر آن گوهر که در جیب بحور ست

معانی در سواد گفتهٔ او
بیاض روشن بین السطور ست

چو تشریحش کنی تفسیر آیات
چو در لحنش کشی نظم زبور ست

بر دخط آنکس از نظم روانش
که بر بحر سخن او را عبور ست

بحق دشمنان ملک و ملت
صریر کلک او آواز صور ست

پئے افزونی اقبال و جاهش
دعائے ما رواح ست و بکور ست

حساب عمر او یارب فزون باد
حساب سالها تا از شهور ست



نظم نشان (۲۱)

بہ تہنیت جشن بست و پنج سالہ جلوس اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی

۱۳۵۵ ف

گیتی مراد از نمِ ابرِ بہار یافت — دامانِ خویش پر ز دُرِ شاہوار یافت

شاخے کہ دی ز دستِ خزاں پائمال بود — امروز از بہار سرِ تاجدار یافت

گلزار از دمیدنِ گلہائے رنگ رنگ — رعنائی و طراوتِ روئے نگار یافت

شد تازہ عہدِ خسروی و جانِ باربد — از نغمہ خواں کہ جائے بہ ہر شاخسار یافت

اکنوں سزاست خندۂ بلبل کہ باغ را — آراستہ چو بزمِ شہِ نامدار یافت

دارائے ملک حضرت عثمان علی کہ زو — شان و شکوہ شوکت و فر روزگار یافت

فرماندہے کہ در صفِ فرماندہانِ عصر — از رائے پیر و بختِ جواں صد وقار یافت

عقلِ سلیم و فکرِ رسا طالعِ بلند — روزِ ازل ز بارگہِ کردگار یافت

ہم طبعِ او لطافتِ بادِ صبا گرفت — ہم دستِ او تراوشِ ابرِ بہار یافت

از حکمتش تواں بہ تنِ ناتواں رسید — وز ہمتش قرار دلِ بے قرار یافت

بر ہر مہم کہ بست کمر دستِ ہمتش — اقبال و فتح را بہ یمین و یسار یافت

فیضِ نسیمِ صبحدمِ التفاتِ او — ہر شاخِ دل شگفتہ و با برگ و بار یافت

نقادِ روزگار زرِ حسنِ نیتش — صد بار بر محک زدہ کامل عیار یافت

بے امتیازِ ملت و مشرب سپردکار | ہر مرد را کہ مخلص و خدمت گزار یافت
اندیشۂ فساد و غمِ فتنہ ہا نماند | ہر جا کہ دستِ قدرت و اقتدار یافت
ہر انچہ دید قوم ازو بے مثال دید | ہر انچہ یافت ملک ازو یادگار یافت
ہر قولِ شاہ شکل مثل اختیار کرد | ہر کارِ شاہ مرتبۂ شاہکار یافت
بذل و عطا و دانش و دیں شانِ سروری ست | شاہ ست آنکہ بہرہ ازیں ہر چہار یافت

ترقی علوم و فنون

علم و ہنر بظلِ ہمایونِ تو شہا | قدرِ بلند و پایۂ استوار یافت
افسانۂ معارفِ بغداد و قرطبہ | از جودِ علم پرورِ تو اعتبار یافت
تعلیم گشت عام باندازہ کہ ملک | تعلیم گاہ ہا ہمہ بہرہ گزار یافت
ایں ملکِ تشنہ لب نمے علم و ہنر کشید | چوں بادہ کش کہ بادہ پیا از خمار یافت

جامعہ عثمانیہ [illegible]

از جامعہ [illegible] مدرسہ [illegible] | [illegible] کہ [illegible] یافت
جمعے ز اہلِ علم کہ بے زینہار بود | در [illegible]
دشوار در زمانہ قدرِ تو اہلِ علم | گویند علم طالع ناسازگار یافت

۱؎ جامعہ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس نے محض اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی سرپرستی اور دستگیری سے یہ ثابت کردیا کہ مغربی اور مشرقی علوم و فنون میں اعلیٰ تعلیم اپنی مادری زبان میں حاصل کی جاسکتی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی دیکھا دیکھی ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں بھی عمل اختیار کررہی ہیں۔ اس بارہ میں گویا عثمانیہ یونیورسٹی سب کی استاد ہے

دار الترجمہ

ہر کس کہ دید جامعہ را کشت زار علم — شک نیست دار ترجمہ را جوئبار یافت

صدہا کتاب حکمت و تاریخ و فلسفہ — با نام نامیت بجہاں اشتہار یافت

راضی مشو کہ بارِ دگر ابلہانِ قوم[۱] — ویراں کنند باغ کہ از تو بہار یافت

باور مکن حدیث مخالف کہ ایں گروہ — چوں لالہ روے سرخ و دلِ داغدار یافت

ایں جو نہ خشک گشتہ درایں کشت زار زرد — تا زندہ رود[۲] فیض ترا آبیار یافت

دانی چہ گنجہائے زر علم شرق و غرب — اردو زبان زیور جیب و کنار یافت

آرائش ملک

غزنی و اصفہان و بخارا ندیدہ بود — آرائشے کہ شہر ز تو شہریار یافت

ہر صفحۂ صحیفۂ ملک و سوادِ ملک — از کلکِ نقشبندِ تو نقش و نگار یافت

از شاہراہ ہائے کشادہ چہ گلستاں — خلقِ خدا کشادہ رہِ کاروبار یافت

وز آبگیر چوں دلِ دریا دلاں فراخ — آسائش و فراغِ دل کشتکار یافت

در پردہ جست ہر چہ نظر بے حجاب دید — ہر آنچہ خواست دل بہ نہاں آشکار یافت

۱؎ اس سے قبل جو دار الترجمہ قائم ہوتے وہ مولانا شبلی مرحوم سے یگانۂ روزگار کی بیگانگی برتنے کے ناکام کر دیے جاتے تھے وہ اسی قسم کے لوگوں کی ناقدردانی کی وجہ سے جنھیں ہم نے بہمن قوم اور چنگیزیوں وغیرہ کے نام سے یاد کیا ہے توڑ دیے گئے ۲؎ ایران کا مشہور دریا

نظم مملکت

اوضاعِ مملکت کہ بحکمت نہادۂ — آں را بوضعِ خویش جہاں سازگار یافت

دیوِ ستم کہ داشت جہاں را بگیر و دار — خود را بدورِ عدلِ تو در گیر و دار یافت

در دستِ تو نہاد حق آئینِ داوری — ذاتِ ترا چو دادگر و حق گزار یافت

میدانِ عدل در صفِ دادگستری — تا زد بخویشتن کہ چنیں شہسوار یافت

پرورش یتیمان و بیوہ گانِ ملازمین وغیرہ

دستِ کرم بلند شد و آستیں کشید — بر دیدۂ کہ از غمِ دہم اشکبار یافت

بر سر گرفت بیوہ زن و طفلِ بے پدر — آں دست را کہ سایۂ پروردگار یافت

بذل و عطائے عام

بخشائش تو عام [illegible] — قسمت ز خوانِ نعمتِ تو [illegible] یافت

[illegible] — [illegible] یافت

[illegible] — [illegible] یافت

[illegible] غریبان [illegible] — [illegible]

استقلال عزم

ہر مشکلے کہ در رہت آمد بہ آزموں — تا بید از تو رو کہ برہ کوہسار یافت

بکشود خیبرِ آلامِ روزگار — عزمِ تو تیغ گشت و دمِ ذوالفقار یافت

لے Faithful Ally

دل ہمت از حیاتِ رسولِ امیں گرفت | جاں یاوری ز باطنِ ہشت و چہار یافت

فروتنی و حلم

دید انکسارِ فقر و سرافرازیِ شہی | ہر کس کہ بار گاہِ جلال تو بار یافت
از بس کہ دید خیرز تو در جزائے شر | خود را عدو ز کردۂ خود شرمسار یافت

ترغیب اہل فن

فکرِ سخن کنی پئے ترغیبِ اہلِ فن | دانی بر اں حیاتِ سخن انحصار یافت
حرفے کہ از لب تو بر آمد سخن شناس | شاداب تر ز سبزۂ لبِ جوئبار یافت
غواصِ فکرِ تو بہ محیطِ سخنوری | ہر گاہ غوطہ زد گہرِ آبدار یافت

جشن جلوس بست و پنج سالہ

ایں بست و پنج سال ز عہد جلوسِ تو | توقیعِ یمن و خیر ز پروردگار یافت
تقویم ایں زمانۂ عہد آفرینِ تو | ہر سالِ نو مبارک و میموں ز پار یافت
تحسیں نمود و شکر بے شمار کرد | احسانِ تو چو خلق خد بے شمار یافت
دستِ کرم کت و کریمانہ کار کن | چوں کار خلق بر کرمت انحصار یافت
در جام ریز آں مے صافی کہ دردمند | و رنج و درد غم شکن و غمگسار یافت

عرضِ حال و دعا

خواہم کہ آورم بہ پیش سخنورئی | شعرے کہ حسبِ حالِ خود و خاکسار یافت

[1] دو زدہ ارم Epoch-making

"فخر ست از ثنائے تو ام گرچہ کلکِ من — دیر ست از نوشتنِ اشعار عار یافت
لیکن پئے دعا و ثنایت دریں زمن — محوی مدد ز ہر طرف و ہر کنار یافت
شوقِ ثنا ز شاعرِ شیوا بیاں رسید — ذوقِ دعا ز عابدِ شب زندہ دار یافت
تا شد زبانِ او ز مدیحِ تو بہرہ ور — نقشش بہ چشمِ اہلِ نظر اعتبار یافت

عمرت دراز باد کہ در عہدِ امنِ تو
عالم اماں ز گردشِ لیل و نہار یافت"

نظم نشان (۲۲)

بہ تقریبِ جشنِ آزادیِ دو صد سالہ دولتِ آصفیہ قائم فرمودۂ حضرت بندگانِ عالی مد ظلہ العالی سنہ ۱۳۴۲ھ

رنگہائے مختلف دورِ زماں می آورد — گاه می آرد بہار و گہ خزاں می آورد

زیں رباطِ کہنہ ہر دم قافلہ سالارِ دہر — می برد یک کارواں یک کارواں می آورد

ورودِ سراپا مسعود حضرت آصف جاه اول بدکن

تیره و تار است یکسر مطلعِ ہندوستاں — شمعِ بہرِ راہرو برقِ تپاں می آورد

بر مثالِ ابر آصف جاه را بادِ شمال — بر سرِ خاکِ دکن گوہر فشاں می آورد

یا کہ می آرد بہ ظلمت چشمۂ آبِ حیات — یا کہ در ویرانہ گنجِ شائگاں می آورد

می نہد بنیادِ آں گلشن کہ ہر یک گلبنش — آبروئے تازه بر روئے جہاں می آورد

از دو صد سال است کیں گلزارِ سعیِ آصفی — ہم گل و ہم لالہ و ہم ارغواں می آورد

سوسنِ آزادِ ایں گلزارِ سرتا پا بہار — مژدۂ آزادیِ ایں دودماں می آورد

نو بہارِ عہدِ عثمانی ست کو با خویشتن — دانشِ پیرانہ و بختِ جواں می آورد

می دمد روحِ رواں در قالبِ بے جان ملک — شاه گوئی از دمِ عیسیٰ نشاں می آورد

صد ہزاراں شکرِ یزداں را کہ شاہے چو او — دستگیرِ ملتِ آخر زماں می آورد

زیست پابندِ کسے در کاروبارِ مملکت | زانکہ خود در کارِ عقلِ کارداں می آورد
شاہ میداند کہ در عالم بجز اجرائے خیر | نیست تدبیرے کہ عمرِ جاوداں می آورد
می برد گر بندۂ را حاجتے در حضرتش | ہمتِ حاجت روایش شاداں می آورد
ہر کرا دستِ زمانہ تنگ می گیرد چو من | رو بسوئے قبلۂ ایں آستاں می آورد
غنچۂ اقبال او بادا شگفتہ تا نسیم | نکہتِ گلہائے تر از گلستاں می آورد

نظم نشان (۲۳)

بہ تقریب سالگرہ مبارک گزرانیدہ ۷ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ

شہے کہ خاطرِ خلقِ خدا نگہدارد | خدا اش از ہمہ رنج و بلا نگہدارد
بحق او ز ہمہ جانب ست صدق و صفا | کسے کہ جانبِ صدق و صفا نگہدارد
دریں زمانہ کجا سرورے چو شاہِ دکن | کہ شان و شوکت تخت نیا نگہدارد
جز او کہ کرد تردد کہ ملک رفتہ ز دست[1] | دوبارہ گیرد و بہرِ شما نگہدارد
جز او کہ خواست کہ بیچارگانِ صحرا را | ز چیرہ دستیِ جور[2] و جفا نگہدارد
جز او کہ داد بخیلِ ملازماں رخصت[3] | کہ روزہ گیرد و فرضِ خدا نگہدارد

[1] صوبہ برار کی واپسی کے لئے جو کوششیں اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے فرمائیں اور فرما رہے ہیں وہ تمام دنیا پر روشن ہیں اور انشاء اللہ ایک روز کامیاب ہو کر رہیں گے [2] دیہات سے بیگار لینے کا طریقہ جس سختی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں مسدود ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا [3] شدید گرمیوں کے مہینوں میں جب رمضان المبارک واقع ہوتا ہے تو دفتروں کو تعطیل دینے کا طریقہ بھی اعلیٰ حضرت ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے

جزاو کدام کہ با ایں تمام ناز و نعیم | طریقِ زندگیِ اتقیا[۱] نگہدارد
جزاو کدام کہ بعد از وفاتِ اہلِ وفا | حقوقِ خدمتِ[۲] اہلِ وفا نگہدارد
بدورِ قطبِ شہاں ہم کسے نہ بود چو شاہ | کہ عز و حرمتِ[۳] ماہِ عزا نگہدارد

ندیدہ دیدۂ بدبیں اگر محاسنِ تو | شگفت نیست کہ اعمیٰ کجا نگہدارد
ہزار بندہ و ہر بندہ را فراستِ تو | بہ نہجِ خاص و بطرزِ جدا نگہدارد
خدا ترا ز وبال و نکال ہر دو سرا | بحقِ خواجۂ ہر دو سرا نگہدارد
بر تبۂ تو بافزاید و ترا تا دیر | بزیرِ سایۂ بالِ ہما نگہدارد
ہمیں بس ست پئے محوی دعا گویت | کہ در دلِ تو بیک گوشہ جا نگہدارد
ہر آنچہ از زر و حکمت نگاہ نتواں داشت | ہمیں سجدہ و دستِ دعا نگہدارد

[۱] اعلیٰ حضرت کی اس سیدھی سادی زندگی کی طرف اشارہ ہے جس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے [۲] ملازموں کے فوت ہو جانے کے بعد اُن کے اہلِ و عیال کی پرورش جس طرح سرکار آصفیہ میں ہوتی ہے شاید ہی کسی دوسری سرکار میں ہوتی ہو [۳] حیدرآباد محرم کے سوانگوں اور اسی قسم کی دوسری لغویات کے لیے سخت بدنام تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے عہدِ حکومت میں ان سب کو قطعاً موقوف فرما دیا۔ رضا شاہ پہلوی تاجدار ایران اس وقت جو کچھ ایران میں کر رہے ہیں وہ ہمارے اعلیٰ حضرت اس سے دس سال قبل کر چکے ہیں اور اس لحاظ سے اس معاملہ میں سب کے پیشرو اور ہادی ہیں۔

نظم نشان (۲۴)

به تقریب تهنیت عید قرباں سنه ۱۳۴۰ھ

شکر الطاف تو دانم که ادا نتواں کرد — چکنم عادت خود نیز رها نتواں کرد
از همه مدح و ثنا برتری و بالاتر — نتواں گفت مدیح تو ثنا نتواں کرد
رشتۀ شکر و ثنا گرچه ز کف رفت، مگر — دست کوتاه ز دامانِ دعا نتواں کرد
حسنِ اخلاق تو با حسنِ بیاں نتواں گفت — درکِ ادراک تو با عقلِ رسا نتواں کرد
هر دو مبنی بصواب اند و مبرا ز خطا — فرق در حکم تو و حکم قضا نتواں کرد
بر در روزی مخلوق ندانم قفلے — کز کلید سر انگشت تو وا نتواں کرد
عقدۀ نیست که از ناخنِ تو نکشاید — حاجتے نیست که دستِ تو روا نتواں کرد
چارۀ درد دلِ خسته صفاها دارد — ترکِ این شیوۀ اربابِ صفا نتواں کرد
حاصلِ نامِ نکو زندگی جاوید ست — جز بایں راه تمنائے بقا نتواں کرد
بر تو پیداست همه نیک و بد شعر و سخن — در حضورِ تو سخن بے سر و پا نتواں کرد
باد ترکیب وجودِ تو بعالم قائم — تا نم از آب به تحلیل جدا نتواں کرد
باد هر عیدِ تو از عیدِ دگر فرخ تر — این دعائے ست که زین خوب دعا نتواں کرد

بلبل شیفته داند که بگلبانگ مدیح
بحث با محوی آشفته نوا نتواں کرد

نظم نشان (۲۵)

بہ تقریبِ سالگرہ مبارک سنہ ۱۳۴۰ ف

بایدہزار شکرِ خداوندگار کرد
کو از کمالِ فضل ترا شہریار کرد

بخشید ملک و مال، عطا کرد تاج و تخت
تدبیر و عقل داد، فزوں اعتبار کرد

بر ہرچہ ہست ہمتِ تو اختیار داد
بر ہرچہ خواست خاطرِ تو کامگار کرد

ہم در جہانِ مجد و علا داد سروری
ہم در دیارِ علم و ہنر تاجدار کرد

عقل تو کرد باطل و حق را زہم جدا
رائے تو امتیاز یمین از یسار کرد

زورِ تو کرد بازوے انصاف را قوی
دستِ تو پایۂ دولت و دیں استوار کرد

فضلِ تو دستگیریِ ہر خستہ جاں نمود
لطفِ تو چارہ سازیِ ہر دل فگار کرد

کلکِ گہر فشانِ تو ہنگامِ فکرِ شعر
دامانِ نظم پُر ز دُرِ شاہوار کرد

ہر نقطۂ کہ از قلمِ عنبریں چکید
قرطاس برد و خالِ رخِ روزگار کرد

از نامِ تو گرفت نشاں سرزمینِ ہند
وز گوہرِ تو خاکِ دکن افتخار کرد

زیں بیشتر ز خواجہ چہ خواہی کہ در جہاں
با بندگی نیابتِ پروردگار کرد

در شکرِ ایں کہ لطفِ خدا بے نہایت است
لطف و کرم بخلقِ خدا بے شمار کرد

نقشے کہ بست تازہ تر و دلفریب بست
کارے کہ کرد نامور و یادگار کرد

صد بار شست اشک و غم ما و رانه خورد | یک بار گریبان پدر گیر و دار کرد

فرماندهان حکومت تن آرزو کنند | او سروری بعالم جاں اختیار کرد

شاهاں زنند سکه بروئے طلا و سیم | او سکه زد بجان و رواں ورد یار کرد

صید افگناں بدشت پراگنده او ز شهر | نارفته یک قدم دلِ عالم شکار کرد

از کارهائے بستۂ ما صد گره کشاد | امسال شاه جشن گره یادگار کرد

جامِ سخن ز تلخیِ غم ناگوار بود | ذوقِ مدیح شاه دگر خوشگوار کرد

می خواست شوق سلسلۂ مدح را دراز | آمد ادب اشاره سوئے اختصار کرد

محوی ز بندگانِ قدیم است و عیب نیست | مدح و دعائے شاه اگر بار بار کرد

نظم نشان (۲۶)

بروزِ جشن سالگرۂ مبارک گزرانیده شده ۱۳۳۶ف

پیکرِ زیبائے امید از عدم سر بر نزد | تا لبِ معجز نمایش دم بر آں جوہر نزد

شد ز فیضِ لطفِ او سرسبز تخمِ آرزو | آنکه تا یک عمر سر از پردۂ اخگر نزد

یار چندیں سال فرماں داد بر اقلیمِ دل | سکۂ تسکیں مگر بر خاطرِ مضطر نزد

ایں دلِ راحت طلب ساکن نشد از اضطراب | تکیه تا بر آستانِ شاهِ جاں پرور نزد

حضرت عثمان علی خاں آنکه در تنظیمِ ملک | پیشِ رائے روشنش دم خیلِ هفت اختر نزد

ہمچو تو اے شاہ کس را جہانبانی نداد
سکّۂ نام نکو کس چوں تو در کشور نزد

محضرِ اقبال کس ننوشت جمہور بہ قضا
تا فروغ رائے تو مہرے براں محضر نزد

کشتیٔ تو نگزشت از دریائے طوفاں خیزِ ہند
در محیطِ فیض آصف جاہ تا لنگر نزد

کس ز بزمِ عشرت آبادِ دکن بیروں نرفت
از مے دیرینۂ مہر تو تا ساغر نزد

مے شناسی بے غل و غش قیمتِ ہر بندہ را
ہمچو تو جوہر شناسے بر محکِ ایں زر نزد

نثرِ رنگینِ تو کے آب از رخِ گلشن نہ برد
نظمِ شیرینِ تو کے بر تودۂ شکر نزد

از مضامینِ بلندت چوں تواند گفت کس
طایرِ فکرِ تو با روح الامیں شہپر نزد

خواستی از مردمی بخت مرا بالا کشی
لیک آں از خستگی یک گام بالاتر نزد

خواستی تا وا رہانی بندہ را از قیدِ غم
لیک بختِ نارسا دم جز بشور و شر نزد

بندہ ات را آں چناں بگرفت گردابِ بلا
دست و پائے ہم دراں دریائے پہناور نزد

خواست تا نقشِ جبیں گیرد طرازِ راستی
بندۂ بیچارہ بیجا سر بہ سنگِ در نزد

تشنۂ الطافِ تو در کربلائے نام و ننگ
داد جاں در تشنگی و خیمہ بر کوثر نزد

آفریں بر ہمتِ مردانۂ محوی کہ او
"بہ درِ نکشودہ ساکن شد، درِ دیگر نزد"

نظم نشان (۲۷)

بہ تہنیت عید الفطر ۱۳۴۳ھ

از عشق مردِ پاک گہر پاک تر شود ۔۔۔ ہر آں خزف کہ در صدف[1] آید گہر شود

پیغمبری ز عشق بود، داوری ز عشق ۔۔۔ در ہر طریق عشق ترا راہبر شود

عشق ہست اصل "جذب" کہ بنیادِ عالم ست ۔۔۔ ہر چند رو شناس بنام دگر شود

بے تار و پود جاذبہ یعنی نسیجِ عشق ۔۔۔ ابرہ نہ آسماں نہ زمیں آستر شود

عشق ست کارسازِ دو عالم مگر بہ عشق ۔۔۔ ہر باخبر ز ہر دو جہاں بے خبر شود

در جامِ عشق جرعۂ از حسنِ یار ریز ۔۔۔ تا نشّہ زا امتزاجِ دو مے بیشتر شود

روشن شود ز پرتوِ حسنش جہانِ جاں ۔۔۔ کاخِ دماغ منزلِ شمس و قمر شود

زلفش گلو بگیرد و بندد زبانِ شوق ۔۔۔ مژگانش در جگر خلد و نیشتر شود

ذکرش کنی ز ذکر شود قلب مطمئن ۔۔۔ نامش بری ز نام دہاں پُر شکر شود

تنہا نہ کعبہ است نظرگاہِ عاشقاں ۔۔۔ ہر جا کہ اوست قبلۂ اہلِ نظر شود

خواہم کہ ایں حدیث پُر از نکتہ ہائے نغز ۔۔۔ دیباچۂ مدیح سۂ نکتہ ور شود

---

[1] ابرِ نیساں کے قطروں سے موتیوں کا بننا ایک پُرانا افسانہ ہے۔ جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے کنکر یا ذرات جو غذا کے ساتھ سیپیوں کے پیٹ میں داخل ہو جاتے ہیں اُن پر تہ بہ تہ ایک قسم کا مادّہ جمتا چلا جاتا ہے اور وہی موتی کہلاتے ہیں ۱۲

شاہِ زمانہ حضرت عثماں کہ ہمچو او / کم در میانِ تاجوراں تاجور شود

آں عادلے کہ در کنفِ اعتدالِ او / بالد بخویش داد و ستم مختصر شود

نطقش بدل نشیند و دل را دہد سکوں / لطفش بجاں در آید و غم را سپر شود

با ذہنِ او نہ بادِ صبا ہمسری کند / با فکرِ او نہ برقِ تپاں ہم سفر شود

آں سرپرستِ علم و ہنر کز سخاوتش / زو دستِ ملک مرکزِ علم و ہنر شود

چوں کیمیائے علم و ہنر شد نصیبِ ملک / سنگش تمام سیم شود، خاک زر شود

سیم و زر است مایۂ تنظیمِ مملکت / بے مایہ ملک مصدرِ صد شور و شر شود

نازد بخویش مادرِ گیتی کہ زادہ است / چوں او پسر کہ خلقِ خدا را پدر شود

شاہا، ز عرضِ مدح عناں می کشم کہ نطق / نارد کہ با مکارمِ تو پے سپر شود

یزداں چو کردہ است ترا پاسبانِ ملک / باید ز اہلِ جور جہاں بے خطر شود

خیر البشر ز جملۂ خیر الامم ہماں ست / کو چارہ سازِ امتِ خیر البشر شود

شاید ز آبیاریِ سعیِ تو ایں شجر / بارِ دگر شگوفہ کند، بارور شود

نشنیدۂ کہ در کفِ مردانِ کارداں / از جد و جہد خاکِ سیہ کانِ زر شود

گویند می شود ز سخن شاہ نامدار / من معتقد ز شاہ سخن نامور شود

جا دارد از طفیلِ مدیحِ تو گفتہ ام / از خاوراں بر آید و تا باختر شود

مدحِ تو معتبر بود از آں کہ گفتہ اند / چنداں کہ مرد پیر شود معتبر شود

از خاطرِ شکستۂ محوی دعائے تو
باید کہ چوں دعائے سحر با اثر شود

یارب مدام در چمنستانِ عز و جاہ
آید بہار و لالہ و گل جلوہ گر شود

منصور باد رایتِ عزمِ تو بر مراد
وین عید پیش خیمۂ فتح و ظفر شود

نظم نشان (۲۸)

کہ بجشنِ سالگرہ مبارک گزرانیدہ شد بہمن سنہ ۱۳۳۵ف

صبا نقاب چو از عارضِ بہار کشد
زمیں ز لالہ و گل چترِ زر نگار کشد

نہد چو شاہدِ گل پا بجلوہ گاہِ جمال
ہزار، نعرۂ مستانہ صد ہزار کشد

نسیم نرم و خنک دم زند بوقتِ سحر
چو آہِ سرد کہ عاشق بیادِ یار کشد

گہے بروئے فلک ابر بر زند چادر
گہے بروئے زمیں فرشِ سبزہ زار کشد

ز فرطِ نشو و نما شاخ و گل رسند بہم
چو لالہ سر کشد از خاک "تاجدار" کشد

زہے روانیِ طبعِ رواں کہ از یک حرف
سخن ز صحنِ گلستاں بشہریار کشد

خدیوِ ملکِ دکن، پادشاہِ علم و ہنر
ہر آنکہ علم و ہنر را ز ہر دیار کشد

بہ کارہائے سترگ و ستودہ خطِ غلط
بہ کارنامۂ شاہانِ روزگار کشد

رعایت ست و سیاست کہ زین دو دستِ قوی
عنانِ ابلقِ ایامِ شہسوار کشد

رعایت ست رعایت کہ گلہ را چوپاں
بیک صدائے محبت ز ہر کنار کشد

سیاست ست سیاست کہ ساربان تنہا
ہزار ناقۂ سرکش بیک مہار کشد

ہزار بوسہ براں دستِ خیر باید زد
کہ خارِ غم زکفِ پائے دل فگار کشد

فدائے ہمّتِ رادے کہ باہمہ بخشش
خجالت از رخِ مسکینِ شرمسار کشد

خوش ست دیدہ وری کو غبارِ حادثہ را
بجائے سرمہ بچشمانِ اعتبار کشد

کجاست آں گلِ رعنائے گلشنِ خوبی
کہ ناز بلبلِ شیدائے بے قرار کشد

ہزار شکر خدا را کہ شہسوارِ دکن
کمانِ نظمِ ممالک بایں قرار کشد

شمیم خلق عمیمش ہمے کشد دلِ خلق
چو بوئے میوہ کہ مرغانِ میوہ خوار کشد

دہند داد بعہدش، مباد مظلومے
ز درد نالد و آہ شرارہ بار کشد

اُمید زوست بدلہا، وگرنہ خلقِ خدا
چہ جورہا ز دلِ نا اُمیدوار کشد

ز طعنہائے رقیباں چہ ساں شود ایمن
عروسِ ملک ہر آنکس کہ در کنار کشد

عجب مدار اگر محویِ کشادہ زباں
نوائے مدحتِ شاہانہ بار بار کشد

بحضرتش سخن کامل العیار بیار
کہ او سر از سخنِ ناقص العیار کشد

بقولِ حضرتِ غالبؔ سخن دراز مکن
"کہ چرخ کینہ ز مردِ سخن گزار کشد"

دعائے خلق حصارست و شاہ ما نوست
بگردِ خویش اگر زیں دعا حصار کشد

خدا بہ شاہ دہد عمر و دولت و اقبال
کہ بہرِ راحت ما رنج بے شمار کشد

نظمِ نشان (۲۹)

بہ تہنیت سالگرہ مبارک ۱۳۳۶ف

شبِ دوشینہ دلم جلوہ گہ حسنِ دل آرائے تو بود — دیدہ حیرت زدہ و محوِ تماشائے تو بود
دل سراسر ہوسِ بادۂ دیدارِ تو داشت — چشم لبریز ز سرجوشِ تمنائے تو بود
صیدِ وحشت شدہ در دامِ محبت افتاد — دل کہ برہم زدۂ زلفِ چلیپائے تو بود
عقلِ ما برہمیِ سنبلِ پیچانِ تو داشت — مستیِ ما ہمہ از نرگسِ شہلائے تو بود
سرِ سودا زدہ را چوں نہ گرامی دارم — ایں ہمانست کہ یک عمر بسودائے تو بود
آمد و رفتِ نفس، جنبشِ دل، گردشِ خوں — تا رواں بود بہ تن شورش و غوغائے تو بود
کعبہ از یاد بروں رفت و کلیسا ز خیال — سالہا سجدہ گہم نقشِ کفِ پائے تو بود
زحمتِ جورِ رقیباں ہمہ راحت گردید — چوں یقیں گشت کہ آں جور بایمائے تو بود

واشد چشمِ من از نشۂ مسرت شاہا — چشمِ لطفِ تو مگر شاملِ صہبائے تو بود
فالِ اقبال گرفتیم کہ از عہدِ صبا — اخترِ سعد درخشندہ بہ سیمائے تو بود
پاسِ اسلام، نگہبانیِ دیں، نشرِ علوم — ایں ہمہ کار کہ کردند بایمائے تو بود
قوم از وادیِ دشوار چہ آساں بگذشت — رہبرِ قافلہ چوں ہمتِ والائے تو بود
قسمتِ غیر نگردند کہ از روزِ ازل — خلعتِ پادشہی راست ببالائے تو بود

نہ غلط بود زتو چشمِ کرم داشتنم | زانکہ از اہل کرم مبدأ و منشائے تو بود
نشدم حاضرِ میخانۂ عشرت دی شب | محتسب مانع[1] این عیش بہ فتوائے تو بود
فرصتِ مدحتِ شائستہ دریں جشن نیافت | محوی خستہ کہ مصروف دعاہائے تو بود

نظم نشان (۳۰)

بہ تہنیت عید اضحیٰ ۱۳۳۸ھ ف

آمد بہار نکہتِ گل با صبا رسید | بگذشت شامِ غم، سحرِ جاں فزا رسید
از غنچہ کہ دم بہ ہوائے بہار زد | در مغزِ جاں شمیم دمِ آشنا رسید
شاخِ برہنہ را ز خداوند نو بہار | از برگ و غنچہ ہم کلہ و ہم قبا رسید
آوردہ است باز صبا خاک کوئے دوست | اے چشمِ شوق مژدہ ترا توتیا رسید
درمانِ بے قراری دل ترکِ عشق نیست | کردیم ایں علاج و بما دردہا رسید
سرمایہ بخش ناز تو آمد نیاز ما | ایں شاہ را متاع شہی از گدا رسید
دارد ہوائے مسندِ جم بوریا نشیں | زیں غصہ صد شکن بہ رخ بوریا رسید

---

[1] جشن سال گرہ مبارک کے کارڈ کوتوالی سے تقسیم ہوتے تھے۔ اس سال کا کارڈ مجھے نہیں ملا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے

منصورؔ را شماتت صد دشمناں نداد ۔۔۔ دردے کہ از ملامتِ یک آشنا رسید

انسان گزاشت بلبل و پروانہ برگرفت ۔۔۔ پستی نگر کہ عشق بایں انتہا رسید

تابِ دروں ز بیعتِ پیرِ مغاں رسد ۔۔۔ از پائے خم بجام تہی ایں ندا رسید

ایں بحرِ خوں کہ می رود از ناودانِ چشم ۔۔۔ در حیرتم کہ در دلِ تنگ از کجا رسید

اندیشۂ کدورتِ دیر و حرم نماند ۔۔۔ آزادگی بپائے کسی بحد صفا رسید

مردے کہ پا بعرصۂ حسنِ عمل نہاد ۔۔۔ چوں پادشاہِ ما بصفِ اتقیا رسید

آں آصفِ زمانہ کہ نام نکوے او ۔۔۔ چوں آفتاب نور فشاں جابجا رسید

وقتیکہ او بہ مسندِ دولت نہاد پا ۔۔۔ آمد ندا کہ صاحبِ تاج و لوا رسید

بس غنچہ ہا بگلشنِ آزادگی شگفت ۔۔۔ بس گلبنِ فسردہ بہ برگ و نوا رسید

آمد مسیح و ز نفسِ جاں فزاے او ۔۔۔ صد تازگی بہ پرچم و رہِ مصطفےٰ رسید

شاہا بوصفِ تو چہ سرایم کہ در دماغ ۔۔۔ بیروں ز حدِ نطق و بیاں نکتہ ہا رسید

باغِ ہنر ز دیر خراب او فتادہ بود ۔۔۔ از آبیارئے تو بہ نشو و نما رسید

شد ملک بہرہ مند ز ہر جنس علم و فن ۔۔۔ زر دستِ قوم نسخۂ ایں کیمیا رسید

۵؎ منصور حلاج، مقتدر باللہ عباسی کے زمانہ میں "انا الحق" اور اسی طرح کے دوسرے کلمات کے کہنے پر گرفتار، قید اور قتل کئے گئے۔ قید کے زمانہ میں لوگ آتے اور خلاف شرع کلمات کے کہنے پر انھیں ملامت کرتے تھے۔ گروہ ہنس ہنس کر ان کو سنتے تھے۔ اس زمانہ کے ایک صوفی شیخ عبداللہ خفیف نے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔ انھیں سنکر منصور نے ایک آہ کی اور روئے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا کہا دوسرے لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ لاعلمی سے کہتے ہیں مگر ان حضرت کا جان بوجھ کر ایسا کہنا قیامت ہے

از مدحِ روشنِ تو بایں تیرگیِ بخت | آئینۂ طبیعتِ مارا جلا رسید
محوی سخن دراز مکن در مدیحِ شاہ | دستے برآر نوبتِ عرضِ دعا رسید
عمرت دراز باد کہ از دستِ فیضِ تو | تائیدہا بہ محویِ بے دست و پا رسید

نظم نشان (۳۱)

در تہنیت سالگرہ مبارک ۱۳۳۹ف

زما مپرس چہ ساقی بساغرِ ما داد | شرابِ ناب ز خمخانۂ تولا داد
چہ سرکشی ز اطاعت کہ دوست روزِ نخست | طرازِ بندگیِ خویشتن بہ سیما داد
اسیرِ کاکلِ آں لیلیم کہ مجنوں را | گرفت پائے بزنجیر و سر بصحرا داد
شہیدِ شیوۂ آں ترکِ پر فنم کہ مرا | ز دوستاں بگرفت و بدستِ اعدا داد
جمالِ او نگر و ہم حدیثِ او بشنو | ہر آنکہ گوشِ نوا سنج و چشمِ بینا داد

نشانِ عزت و ثروت مجو بنادانی | زمانہ ایں ہمہ دولت کنوں بدانا داد
نشد اسیرِ ہوا و ہوس دلِ پاکاں | چو یوسفے کہ نہ تن در برِ زلیخا داد
سبک گزشت ہر آں مردِ عاقبت اندیش | کہ ہرچہ یافت ز دنیا بہ اہلِ دنیا داد
بمدحِ شاہ سخن سرکن ایں چہ تمہید است | ترا کہ رائے بہ تشبیبِ بے سر و پا داد

کفِ کریم و دلِ راد و عقلِ دانا داد
بشاہ ہرچہ خدا داد خوب و زیبا داد

نظرِ دقیق، قدمِ استوار، جانِ روشن
بنانِ عقدہ کشا، بازوئے توانا داد

فنونِ مشرق و مغرب، علومِ حکومت و دیں
شعورِ نظم و نسق، با شعارِ تقویٰ داد

شکوہ و سطوتِ شاہی، خلوصِ درویشی
غرض کہ دولتِ دین و نعیمِ دنیا داد

خدا چہ داد باو، ایں ہمہ کنوں بنگر
کہ او براہِ مروّت ازاں چہ مارا داد

اگر بدیدۂ انصاف بنگری بینی
کہ دادِ خلقِ خدا داد، بے محابا داد

ز بہرِ خطیرِ پئے کارِ خیر، خاصہ علوم
لطبیبِ غائر و بے عذر و بے تقاضا داد

سہ صد[1] کتابِ علومِ جدید را حکمش
لباسِ فاخرۂ اردوئے معلّٰی داد

دمیدہ زندگیِ نو بقالبِ اردو
نشانِ معجزہ ہائے دمِ مسیحا داد

ز دشتِ جہل بروں برد ملک و ملت را
بعزمِ ہمتِ احمد زعزمِ موسیٰ داد

ز رائے مملکت آرائے خویش در ہمہ ملک
طرازِ صحنِ گلستاں بدشت و صحرا داد

ز حسن و خوبیِ اخلاق او بہ نسبتِ نظر
خدا بہ ہر کہ دلِ صاف و چشمِ بینا داد

بہ ہر دعا کہ بر آمد برائے او از دل
اجابت از رہِ عظمت بہ پہلوش جا داد

دلِ فسردۂ محویؔ ز شاہ دریا دل
اگرچہ قطرہ طلب کردہ بود دریا داد

---

[1] دار الترجمہ کی کارگزاری کی طرف اشارہ ہے

نظم نشان (۳۲)

بہ تقریبِ رونق افروزی اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی بدہلی ۱۳۳۸ف

میرے مکرم عنایت فرما خواجہ حسن نظامی دہلوی نے جو ریاست ہذا اور اعلیٰ حضرت کے مخلص خیر خواہ ہیں یہ اشتہار دیا تھا کہ "حضور نظام کی دہلی تشریف آوری کے متعلق جس کی فارسی نظم سب سے بہتر قرار پائے گی اسے تمغہ اور جو نظم اس کے بعد ہوگی اسے ایک اشرفی بطور انعام دی جائے گی" یہ اشتہار دیکھ کر مکرمی و محبی مولوی میر ناظم علی صاحب وکیل عدالت عالیہ سرکار عالی مصر ہوئے کہ میں بھی اس مسابقت میں جو تمام ہندوستان کے شعرا کے لئے ہی شریک ہوں۔ اُن کے اصرار پر میں نے مندرجۂ ذیل سات شعر لکھ کر بھیجدئے تھے اور خواجہ صاحب سے عرض کر دیا تھا کہ اگر میرے اشعار کسی انعام کے قابل قرار پائیں تو وہ رقم تبلیغ میں لے لی جائے، میرے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ چند روز بعد خواجہ صاحب موصوف کی تحریر سے معلوم ہوا کہ جن مبصران فن کی انجمن انتخاب کے لئے مقرر ہوئی تھی اس نے میرے اشعار کو دوسرے نمبر پر رکھا۔ اس لئے خواجہ صاحب ممدوح نے مجھے ایک اشرفی بھیج دی جو میں نے اسی قدر مزید رقم کے ساتھ تبلیغ کے چندہ کے نام سے واپس کر دی۔ جس نظم کو درجہ اوّل دیا گیا تھا وہ افسوس اس وقت دستیاب نہ ہوسکی ورنہ وہ بھی ناظرین کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی

صدائے خندۂ گل باز از گلزار می آید	مگر فصلِ بہار امسال دیگر بار می آید
منال اے ملک، عہدِ دردِ ہجراں می شود آخر	ببال اے قوم، وقتِ دولتِ بیدار می آید
نمی دانم کہ می آید، بایں اندازِ دلداری	کہ بانگِ خیر مقدم از در و دیوار می آید

نگہبانِ رعایا، پاسبانِ حقِّ ہر ملت | امیرِ داد گر، سر حلقۂ احرار می آید
نظام الملک سر عثماں علی خاں آصفِ ہفتم | سرِ خاکِ وطن[1] چوں ابرِ دریا بار می آید
ز جودِ بے نہایت می کند شاہِ دکن آساں | ہزاراں کار ے کہ بر اہلِ جہاں دشوار می آید
برائے کاروانِ خستہ تن، گم کردہ رہ محویؔ | بحمد اللہ کہ اینک کارواں سالار می آید

نظم نشان (۳۳)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک سنہ ۱۳۲۹ھ مطابق سنہ ۱۳۴۰ف

مژدۂ فصلِ بہاراں می رسد | موکبِ گل در گلستاں می رسد
تا فشاند بر سرِ شہ، ہر شجر | غنچہ در کف، گل بداماں می رسد
حضرتِ عثماں علی خاں را زغیب | دمبدم تائیدِ یزداں می رسد
نکہتِ اخلاقِ او نزدیک و دُور | مشک بار و عنبر افشاں می رسد
جودِ بے پایانِ او بر خشک و تر | ہمچو فیضِ ابرِ نیساں می رسد
می رسد فرتابِ نامِ نیکِ او | ہر کجا خورشید تاباں می رسد
از کمالِ فضلِ او ہر بے نوا | تا دم آب و لب ناں می رسد
شہرۂ عزمِ معارف پرورش | تا دیارِ روم و یوناں می رسد
گفتۂ سنجیدہ اش، مثلِ مثل | بر زبانِ ہر سخنداں می رسد
جشنِ میلادِ شہِ والا گہر | با ہزاراں ساز و ساماں می رسد

---

[1] ہندوستان میں آصف جاہی خاندان کا ابتدائی وطن دہلی ہے، چنانچہ اس وقت تک غازی الدین خاں کا مدرسہ اور نظام الملک کا کٹرہ اس کے شاہد ہیں

باب عیشِ زندگی وا کردہ اند — راحت از سر در دل و جاں می رسد
بادہ در جوش ست و ساقی مہرباں — دورِ ساغر تا بہ رنداں می رسد
تحفۂ اخلاص و نذرِ بندگی — از ہمہ ارکان و اعیاں می رسد
بلبلِ مدحت سرائے شاہ نیز — با نوا ہاے پریشاں می رسد
می کشد مستانہ گلبانگِ دعا — کاں باوجِ عرش رحماں می رسد
می رسد از غیب الہامے کہ شاہ — بر مرادِ خویش الآں می رسد
دوستاں را مژدۂ فتح و ظفر — دشمناں را درد و خذلاں می رسد
بر دعاے از دیارِ عمرِ شاہ — نامۂ محوی بپایاں می رسد

نظم نشان (۳۴)

بہ تہنیت عید سنہ ۱۳۴۱ف

سروشِ ناطقہ تائید ہر بیاں فرمود — چو شاہ قدرِ عزیزانِ نکتہ داں فرمود[۱]
شہے کہ سایۂ او را خدائے عزوجل — بفرقِ عالمِ اسلام سائباں فرمود
چہ بزمہا کہ نہ آراست بہرِ علم و ہنر — چہ کاخِ جہل و ضلالت نہ اِنگاں فرمود
ہر آنچہ گفت بہ اندازۂ پیرِ دانا گفت — ہر آنچہ کرد بہ انداز نوجواں فرمود
بشرق و غرب و جنوب و شمال و ہند و دکن — ہزار چشمۂ جود و سخا رواں فرمود

[۱] یہاں "فرمود" کے معنی "کرد" کے ہیں جیسا کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک قصیدہ میں جو اسی بحر میں ہے ارشاد فرمایا ہے

زفکرِ عالی شاہِ زماں چہ می پرسی | زمینِ شعر و سخن را بہ آسماں فرمود
نداشتند کسانے کہ ساز و برگ نمد | بحق شاں ہمہ دیبا و پرنیاں فرمود
بہ آبیاری ابرِ بہارِ فیضِ عمیم | زمینِ تف زدہ را رشکِ گلستاں فرمود

بشکرِ نعمت و تقدیمِ تہنیت محوی | مدیح گفت و دعاے خدائگاں فرمود

نظم نشان (۳۵)

بہ تہنیت جشن سال گرہ مبارک بر مصرعہ طرح فرمودۂ سرکار ۱۳۴۲ ف

بقید ہفت بیت

ع "خطِ رخسارِ تو رشکِ گل و ریحاں گردید"

بادِ نوروز باین مژدہ بگیہاں گردید | کہ دمن گشت چمن، دشت گلستاں گردید
بہرِ آرایشِ خوبانِ دل آرائے چمن | مشک آورد صبا، ابر دُر افشاں گردید
مستیِ بادہ عیاں گشت زہر موجِ نسیم | کارِ رندانِ قدح خوار بساماں گردید
بوئے گل در طرب انگیزی و عشرت زائی | ہمچو خوئے شہ عثمان علی خاں گردید
آنکہ از پیرویِ شیوۂ آصف جاہی | در خورِ سروریِ گبر و مسلماں گردید
شہریارے کہ بدورانِ بہارِ عدلش | جور چوں برگِ خزاں دیدہ پریشاں گردید
دید یک خلق دعاگوئے شۂ ذی شانست | محوی خستہ دعا کرد و ز ایشاں گردید

نظم نشان (۳۶)

در تہنیت عید ۱۳۴۳ ف

بہار آمد و خوشی آمد و صفا آورد
نسیم بوئے گل آورد و جاں فزا آورد

ز ژالہ ابر فرو ریخت گوہرِ نایاب
زلالہ نامیہ لعلِ گراں بہا آورد

ز دستۂ گل و نسرین و نسترن شادم
کہ یادِ صحبت یارانِ با صفا آورد

فدائے زلفِ دراز سے شوم کہ پیچ و خمش
بلا بجانِ جوانانِ پارسا آورد

اگر نہ در تہِ آں کیف چشم ساقی بود
شراب ایں ہمہ کیفیت از کجا آورد

دریں بہارِ نشاط آفرین و توبہ شکن
صباح عید دمید و نشاطہا آورد

خطیب رفت برسمِ قدیم بر منبر
دعا سرود و بلب نام پادشا آورد

نظام ملت و دیں آنکہ جانِ پاکش را
خدا بہ تقویتِ دینِ مصطفےٰ آورد

بلند مرتبہ شاہے کہ قلبِ روشنِ او
شکستِ فاش بجامِ جہاں نما آورد

نہ دائیہ بکنار ایں چنیں پسر پرورد
نہ مایۂ بجہاں ایں چنیں بہا آورد

صحیفۂ نہ چنیں نقش دل فریب نگاشت
حدیقۂ نہ چنیں سروِ خوش نما آورد

کشادہ است ز عقل و خرد بروئے جہاں
خزائنے کہ ز درگاہِ کبریا آورد

زمانہ با ہمہ قحط الرجال در اسلام
بحیرتم کہ چنیں خواجہ از کجا آورد

شہا، حدیثِ کمالِ تو ہر کسے کہ شنید
بلب ترانۂ "روحی لک الفدا" آورد

توئی کہ ملک ز تو چشمِ مرحمت دارد | توئی کہ قوم بہ جودِ تو التجا آورد
دلِ شکستہ مخورِ غم ز کار بستہ کہ شاہ | دلِ کشادہ و دستِ گرہ کشا آورد
بمدحِ شاہ مشو از دعاے او غافل | ہزار نعمتِ عالم کہ یک دعا آورد
ہزار سال بزی با نوا کہ یزدانت | بہ چارہ سازیِ مردانِ بے نوا آورد
قبول باد کہ با کم بضاعتی محوی | برائے نذرِ تو نظمِ گراں بہا آورد

نظم نشان (۳۷)

مشاعرہ سرمہاراجہ بہادر یمین السلطنۃ بہ تقریبِ سال گرہ مبارک ۱۳۵۲ھ

شورشِ عشق نہ تنہا دلِ انساں دارد | ہم دلِ سنگ نہاں آتشِ سوزاں دارد
زخمیِ ناوکِ مژگانِ حیا آلودہ | دردِ پوشیدہ بدل زخمِ نمایاں دارد
تو بیک عشوۂ کمتر دل و جاں باختۂ | یار زیں غنجِ دل آویز فراواں دارد
حسن را طنطنۂ ناز بر د حجلہ نشیں | عشق را زمزمۂ شوق حدی خواں دارد
لذتِ عشق نہ خاص ست پئے عاشقِ زار | بوالہوس نیز بقدرِ لب و دنداں دارد
بہرِ ناشاد دلم در شبِ تاریکِ فراق | داغِ دل حکمِ چراغِ تہِ داماں دارد
می کنم طے رہِ عشق تو بامیدِ وصال | مور بنگر کہ سرِ ملکِ سلیماں دارد
نکشائیم نظرِ شوق بدیدارِ جہاں | تا مرا آئینۂ روئے تو حیراں دارد
نہ شود قطع ز ما سلسلۂ مہر و وفا | تا سرِ زلفِ تو ایں سلسلہ جنباں دارد

جانبِ حسنِ تو گیرم، اگر آں فتنۂ دہر ‌ ‌ بامہ و مہر ترا دست و گریباں دارد

گم کنم راہ بزلفِ تو، اگر حسنِ سلوک ‌ ‌ در رہِ من نہ چراغِ رخِ تاباں دارد

می دہد یار مرا مشغلۂ نالہ بہ ہجر ‌ ‌ تا بایں مشغلہ دشوارِ من آساں دارد

حرمتِ لالہ ازانست کہ آں سوختہ جاں ‌ ‌ قطرۂ چند ز خونابِ شہیداں دارد

آنکہ شورے بسرِ گبر و مسلماں انداخت ‌ ‌ نہ سرِ گبر و نہ پروائے مسلماں دارد

بردمِ تیغ ہر آں قوم کہ وی رفت بسر ‌ ‌ خطر امروز ز ہر خارِ مغیلاں دارد

دفترِ شعرِ سخنور نہ شود کاغذِ زر ‌ ‌ تا نہ امضائے مہاراجہ بعنواں دارد

درامانست ز ہر کیدِ حریفاں محوی ‌ ‌ تا بسر سایۂ عثمان علی خاں دارد

نظم نشان (۳۷ الف)

بہ تہنیت سال گرۂ مبارک بر مصرعۂ طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ ۱۳۵۵ھ

ع "چمن مماثلِ صد کشتِ زعفرانی بود"

دمیکہ دولتِ اسلام در جوانی بود ‌ ‌ زمیں مطیع بتائیدِ آسمانی بود

بیک نسیمِ عطوفت بہارہا شگفت ‌ ‌ بہ گلشنے کہ ز سر تا بپا خزانی بود

بیک کرشمہ شباں گشت پاسبانِ دیار ‌ ‌ اگرچہ دورِ شبانی ز پاسبانی بود

خجل ز سطوتِ آزادگانِ خاک نشیں ‌ ‌ شکوہِ قیصری و شوکتِ کیانی بود

بیک فسوں کہ جوانے بگوشِ قوم دمید — چہ زن، چہ مرد ہمہ گرد بیستانی بود
ز مرگ رو نہ کشیدند بہرِ آزادی — بایں عقیدہ کہ ایں مرگِ زندگانی بود
نکردہ ضبط اصول بیان و معنی را — زباں کشادہ و گفتار در روانی بود
متاعِ خانۂ ایں مفلسانِ دریا دل — ہمیشہ وقف بہ مہمان و میزبانی بود
بدورِ اوّل مستانِ بادۂ توحید — نہ بود رنج خمار و نہ سرگرانی بود
بقولِ پیرِ مغاں واقفِ عیان و نہاں — بہم دگر ہمگی لطف و مہربانی بود
بیک حدیثِ مواخاۃ از میاں برخاست — نزاعِ فخر کہ دیرین و خاندانی بود
چہار اسود و اخضر بیک قرار کشید — چو قوم ماہرِ اسرارِ ساربانی بود
نکرد ہیچ تفاوت میانِ سرخ و سفید — نہ امتیاز بہ تازی و ترکمانی بود
ہزار جامۂ سوفسطہ ہائے عیاراں — بیک شعاع ز ماہِ یقیں کتانی بود
بیک نگاہ چناں مست شد کہ ریخت بخاک — ہر آنچہ در خمِ ساقی مئے مغانی بود
بہ کارنامۂ ایشاں کشید دستِ قضا — ہزار نقش کہ زاں داغ جانِ مانی بود

چو اعتصام بحبل المتین شرع نماند — ہبوطِ قوم بہ پستی و ناتوانی بود
خدا چو رفت ز دل ہرچہ بود رفت ز دست — کہ ہرچہ بود طفیلِ خدائے دانی بود
بہ ہند ہم بسزائے ہمان خطا، درہم — عروجِ اکبری و امنِ شاجہانی بود
نہ بود تاج بسر نے سریرِ زیرِ قدم — بدست تیغ نہ ہندی نہ اصفہانی بود

نماند عظمتِ میری، نہ کبر مرزائی — تمام ترکی ترکان و شانِ خانی بود

فدائے قولِ حکیمے کہ گفت در دنیا — سوائے نامِ خدا ہر چہ بود فانی بود

مپرس از چہ فنا را گماشت بر دنیا — کسے کہ خود ہمہ دنیا و جاودانی بود

بقاش باد کہ شہ یادگارِ جاوید ست — ز شان و شوکتِ اسلامیاں کہ آنی بود

جنابِ آصفِ ہفتم کہ در جہانبانی — نہ ہست ہیچ نظیرش نہ ہیچ ثانی بود

عنانِ حکم سپردند در کفِ رادش — کہ او ز روزِ ازل بہرِ حکمرانی بود

ز آبِ بخششِ او گشت تازہ و سرسبز — رخے کہ از غم و ہم خشک و زعفرانی بود

نداشتند کسانے کہ دسترس بہ نمد — لباسِ شان ز عطاہاش پرنیانی بود

بگرد ہر کہ خطِ حفظِ او کشید حصار — بہ امن و عافیت از گردشِ زمانی بود

سزائے عاجلۂ منکرانِ طاعتِ او — عذابِ دائمی و مرگِ ناگہانی بود

چو پیش بینیِ او بنگری بدل گوئی — مگر کشادہ براو بابِ غیب دانی بود

چو بشنوی سخنِ او یقین کنی کہ ہمیں — شعارِ انوری و شیوۂ فغانی بود

بگوشِ نغمہ شناساں صریرِ خامۂ او — نوائے باربد و لحنِ خسروانی بود

علاجِ علّتِ بد ذوقیِ سخن گویاں — کشادنش درِ گنجینۂ معانی بود

چو گفتہ اند کہ "خیر الامور اوسطہا" — مدام رفت بہ راہے کہ درمیانی بود

بجز یہ ہیچ شہِ دیں پناہِ ما نگرفت — بجز دعا کہ خراجِ نگاہبانی بود

ہمین دعائے تو شاہا مرا بہ نطق آورد | زدیر ورنہ مرا نطق رائگانی بود
شرابِ مدح کہ فکرم زشیشۂ دل ریخت | برنگ و بو ہمہ مشکی و ارغوانی بود
ازیں شراب باین رنگ و بو نہ مست شدن | قصور ذوقِ حریفانِ دوستگانی بود
خدا دراز کند عمرِ تو کہ محوی را | بسایۂ تو فراغ از غمِ نہانی بود

نظم نشان (۳۸)

بہ تقریب سال گرہ مبارک سنہ ۱۳۴۱ھ

کارم زپیشتر شدہ با برگ و ساز تر | لطفت زخلق کرد مرا بے نیاز تر
ہر لطفِ تو زلطفِ دگر دلربا تر است | ہر فضلِ تو زفضلِ دگر جاں نواز تر
دلہائے خلق می بردو دیگرے برد | چوں خلقِ تو ندیدہ جہاں یکہ تاز تر
آنجا کہ پایِ فکرِ حکیماں نمی رسد | فکرِ تو می زند قدمے زاں فراز تر
جز چشمِ حق نمائے تو چشمے ندیدہ اند | با نور با بصیرت و با امتیاز تر
در بزمگاہِ جوہریانِ سخن شناس | چشمِ فلک ندیدہ زتو دیدہ باز تر
باید شنید قصۂ من از زبانِ من | می سنجم ایں نوا زعود دل گداز تر
در عرصۂ سپاس نہ بینی سخنورے | از محوی فتادہ زپا سرفراز تر
سر برنہ زد زسجدہ، نہ دست از دعا کشید | سجادہ تا زاشک نشد در نماز تر

لہ دوستگانی وہ شراب ہے جو دوست باہم بیٹھکر پیتے یا دوستوں کو بھیجتے ہیں

عمرِ درازمی طلبد بہرِ شاہ خویش | از کاکلِ کشیدۂ خوباں دراز تر
محوی بکارِ خویش مکن فکر و شاد باش | شاہ است کارساز و خدا کارساز تر

اس نظم کو شرفِ سماعت عطا فرمانے کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر قافیہ پاک اور تاک ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ دوسرے دن فدوی نے اشعار ذیل پیشگاہ والا میں عرض کئے

مہرست تابناک و رخت تابناک تر | جانِ تو صاف و پاک دلت صاف و پاک تر
جستند و در احاطۂ امکاں نیافتند | در راہِ حق ز رائے تو بے ترس و باک تر
از خلقِ دلربائے تو خلقے ندیدہ اند | با لطف و با مروّت و ہم با تپاک تر
ساقی باین امید رسیدم بمیکدہ | شاید شود گلوئے من از آبِ تاک تر
اے آنکہ آفتابی و تابی بروئے خلق | بر بندہ نیز تاب و لے تابناک تر
باد انسیمِ فیضِ تو بر خشک و تر رواں | از آب تا نہ خشک شود شئے ز خاک تر
محوی سخن ز حالِ دلِ دردمندِ خویش | باید ادا نمود ازیں دردناک تر

نظم نشان (۳۹)

بذکر ورود فرمان شاہی بہ تنبیہ ملازمین سرکار بغرض اجرائے کار دولت بہ مستعدی و توجہ تمام سنہ ۱۳۳۴ف

زجر تو مگر دم مسیح ست | در ملک دمید جاں دگر بار
ہر مست ز بادہ کرد توبہ | ہر خفتہ ز خواب گشت بیدار

برخاست زجا و دست و پا زد — آں مرد کہ بود نقش دیوار
ہر خادم کشور ست در شغل — ہر عاملِ دولت ست در کار
از نقش و نگارِ کلکِ رنگیں — ہر صفحۂ کاغذ ست گلزار
از حکمِ تو خامہ باز آمد — چوں بلبلِ خوشنوا بگفتار
القصہ کہ کار و بارِ دولت — شد آبِ رواں سبک برفتار
یک گردشِ خامہ کرد آساں — آں امر کہ بود سخت دشوار
وصفِ تو بروں زحدِ محوی ست — بیچارہ زباں کشد بناچار

نظم نشان (۴۰)

بہ تقریب سالگرہ مبارک ۱۳۴۰ ف

جشن ست بتا، بزم برنگِ چمن انداز — مطرب بہ نوا غلغلہ در انجمن انداز
گر ساقی فرزانہ مائے نہ دہد ے — ایں خرقہ زما گیر و بے مرتہن انداز
سرمستم و در بادہ کشی وقفہ نخواہم — برخیز بدوشم کش و دریائے دن انداز
از کشمکشِ دہر جہاں بہ کہ دلم را — در سلسلۂ زلف شکن در شکن انداز
اے شاہدِ اقبال بدہ جلوہ و خود را — سرمست بآغوشِ خدیوِ دکن انداز
نوشاہ دریں بزم چو عثمان علی خاں ست — در گردنِ او دست بصد نازو فن انداز
تا بوسہ نیابی بشمارِ عدد سال — از دست گل و دو نہ سیبِ ذقن انداز

تا وعدهٔ صد جشن پیاپے نستانی | خود را بکنار شش بادب تکیہ زن انداز
چوں وعدہ دہد دست بہ آئین دعا گو | صد سال بزی صد گرہ خویشتن انداز
محوی چو ترا جور فلک خانہ بر انداخت | رو بسترِ خود بر درِ شاہِ زمن انداز

نظم نشان (۴۱)

ہنگام واپسی اعلیٰ حضرت از دہلی برائے مشاعرہ سر مہاراجہ بہادر گفتہ شد

۱۳۳۸ھ ف

بزم انس ست ہم شیشہ و جام ست امروز | بادہ نوشیم کہ ایام بکام ست امروز
صحبتِ صاف کشاں بر تو حلال ست امشب | سیرتِ اہل ریا بر تو حرام ست امروز
فیض عام ست مئے عیش بہ ہر کس بخشند | فرق برخاست یکے پختہ و خام ست امروز
از قدوم شہِ عثمان علی آصف جاہ | دیں قوی بازو و دولت بہ نظام ست امروز
یارِ ما در برِ ما باز درِ ناز و نیاز | قاصد آسودہ ز پیغام و سلام ست امروز
دل زما راز زما بزم زما یار زما | ہمہ از خویش ز بیگانہ کدام ست امروز
مرغِ دل پر بفشاں تیز پر چشم مبند | در کفِ دوست سرِ رشتۂ دام ست امروز
تیز تر گام زن اے راہروِ منزلِ عشق | رہ کہ صد مرحلہ بودہ است دو گام ست امروز
نشۂ عشق ندانم بہ کجا انجامد | من ستیم و رہ بر لبِ بام ست امروز
جلوہ فرماد رخ از عاشقِ بیچارہ مپیچ | کارِ بیچارہ بیک جلوہ تمام ست امروز

خواجہ از حالِ دلِ محویِ مسکیں پرسید | چشمِ الطاف بہ دیرینہ غلام ست امروز

نظم نشان (۴۲)

بہ تہنیت سال گرہ مبارک ۱۳۵۰ھ بر مصرعہ طرح فرمودۂ اعلیٰ حضرت

"مجلّٰی ہم مصفّا از جبینش"

بہ بیں باغ و بہارِ دلنشینش | چمن گلگوں، زمرد گوں زمینش
چو بوئے مشکبارِ نوعروساں | نشاط افزا ہوائے عنبرینش
صفائے دوستانِ باصفا را | تواں نظارہ کرد از یاسمینش
بیادِ عارضِ گلگونِ جاناں | تواں بوسید روئے نسترینش
بدیدارِ بہارِ سبزہ و گل | چمن بکشاد چشمِ نرگسینش
جلوسِ شاہ گل بر مسندِ شاخ | بیاد م داد شاہ و شہ نشینش
شہے فخرِ جہاں عثماں علی خاں | کہ نادیدہ فلک مثل و قرینش
عیاں شانِ شہی از چشم و ابرو | ہویدا نورِ یزداں از جبینش
سجافِ نیک نامی گردِ داماں | طرازِ راستی بر آستینش
دُرِ "الفقر فخری" طرۂ تاج | "ھو اللّٰہ الغنی" نقشِ نگینش
مزاجش معتدل، نازک نہادش | ز لطفِ امتزاجِ ماء و طینش

زفیضِ جودِ او ہر تشنہ سیراب | روان ہر چار سو مارِ معینش

دکن معمور از علم و ہنر شد | ز تدبیرِ رزینِ دُوربینش

چنان آراست شہر حیدرآباد | کہ پیدا شد جہاں بر سرزمینش

سوادِ بلدہ را رنگِ نوی داد | مکانش شد بلند و ہم مکینش

از آبادیِ دیرست و مسجد | دکن نازد بجا بر داد و دینش

زبان گویا ز نطقِ دل کشِ او | سخن شیرین ز شعرِ شکّرینش

ز بختِ سعد او یمن و سعادت | دو چاکر بر یسار و بر یمینش

نمی جوید ز ہر دم استعانت | خدایش مستعان او مستعینش

حصارِ ذاتِ او حفظِ خداوند | دعاے بندگان حصنِ حصینش

بکارش آفرینِ اہلِ عالم | بجانش رحمتِ جان آفرینش

نمی دانم چہ خواہم بیشتر زین | کہ محمود ست ہم دنیا و دینش

نہ بگزارم ولے رسمِ دعا را | کہ آمین گوست خود روح الامینش

جہان بادا بہ ہر مقصود رامش | فلک بادا بہ ہر صورت معینش

قبولش بادا این نذرِ عقیدت
ز محوی مدح گوئے کمترینش

نظم نشان (۴۳)

سنہ ۱۳۴۰ھ

ایک باریابی کے موقع پر اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے براہِ بندہ پروری دیر تک شرفِ تکلم بخشا تھا اور فدوی اور فدوی زادوں کے مفصل حالات دریافت اور سماعت فرمائے تھے۔ اس کے بعد ہی عید کی تہنیت میں یہ نظم گزرانی گئی تھی

در دلِ شبہا وصالش از خدا می خواستم
صبحدم ہمت ز اربابِ صفا می خواستم

یک شمیمِ جاں فزا زاں ناز پرورد چمن
در ہوائے شوق از بادِ صبا می خواستم

شد دعا مقبول پیدا گشت ز الطاف خدا
ساز و سامانے کہ از بختِ رسا می خواستم

دولتِ دیدار حاصل شد بہ اندازے کہ من
از خدائے دو جہاں صبح و مسا می خواستم

مرحمت می رفت از تقصیر گاہے پیشتر
شاہ می بخشید و عذرِ ماجرا می خواستم

جوشش مینرِ رحمت دمی داد خضر رہنما
ہر قدر از چشمۂ آبِ بقا می خواستم

یافتم در سایۂ فرخندۂ ظل اللہ
حسن تاثیرے کہ از بالِ ہما می خواستم

خفت عقلم نگہ خاصیتِ خاکِ درش
در طلا می جستم و از کیمیا می خواستم

مرہم زخمِ جگر پیدا نہ بود آنجا کہ من
بہر ہر یک درد صد دار الشفا می خواستم

کشتیم شد غرق در دریا وے باسیت شد
زانکہ من کارِ خدا از ناخدا می خواستم

عید فرخ آمد و بہرِ ادائے تہنیت
این چنین روزِ ہمایون از خدامی خواستم

دوش ہنگام دعا محوی ز ربِّ ذوالمنن
بہر شہ، توفیق و اقبال و بقامی خواستم

نظم نشان (۴۸)

کہ از لکھنؤ بملاحظہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی گزرانیدہ شد

سنہ ۱۳۳۱ یا ۳۲ ف

مدیح یار کہ توصیفِ شہریار کنم
ازاین دو کار ندانم کدام کار کنم

جمالِ دل کشِ جانان، کمالِ حضرتِ شاہ
بدلبری ست برابر چہ اختیار کنم

چو یار جانِ من و جانِ روزگار شہ است
چرا نہ وصف ہمان جانِ روزگار کنم

ستودہ حضرت عثمان علی کہ در وصفش
ہر آن خبر کہ بگویند اعتبار کنم

کشید کلک ازل نقشِ شاہ و با خود گفت
ازین طلسم بہ بین در جہان چہ کار کنم

برافگنم ز وجودش بنائے جور و جفا
اساس عدل ز احکامش استوار کنم

ز جود و بخشش او کار ہائے بستۂ قوم
روان بروئے زمین ہمچو جوبار کنم

قوی کنم بجہان در حمایتش دین را
دوبارہ شوکتِ اسلام آشکار کنم

بسعی ہمتِ او گلستانِ عالم را
پر از شقائق و نسرین و نوبہار کنم

بہر کجا کہ بود راغ، باغ گردانم
بہر کجا کہ قفارست لالہ زار کنم

قلم مسخرِ تیغ ست در جہان، لیکن
مسخر قلمش تیغِ آبدار کنم

بجائے حرف و معانی بصفحۂ قرطاس ‌‌ ‌ ‌ رواں زخامہ او درِ شاہوار کنم
بمدح شاہ دراز ست نطقِ من کوتاہ ‌ ‌ ‌ ‌ بمدح او چکنم گر نہ اختصار کنم

زمن مرنج گلِ گلستانِ محبوبی ‌ ‌ ‌ ‌ بیا و بزمِ تو گر نالہ چوں ہزار کنم
زمنع گریہ چہ حاصل مرا کہ من ایں کار ‌ ‌ ‌ ‌ ہزار بار کنم صد ہزار بار کنم
فراق دیدۂ دہرم ستم کشیدۂ چرخ ‌ ‌ ‌ ‌ ہزار شکوہ ز نیرنگِ روزگار کنم
کشادہ اند درِ درد و بستہ اند زباں ‌ ‌ ‌ ‌ چرا نہ گریہ چو طفلانِ شیرخوار کنم
برافگنم ز جہاں رسم جاں فزائے امید ‌ ‌ ‌ ‌ اگر سخن ز دلِ ناامیدوار کنم
بہ پیشِ شاہ چہ گویم ز خویش شرمم باد ‌ ‌ ‌ ‌ ز حیلہ ہائے کہ با جانِ بے قرار کنم
گہے بہ نعرہ کہ "اللہ بس دگر ہوس ست" ‌ ‌ ‌ ‌ ملامتِ ہوسِ نفسِ نابکار کنم
گہے بشور "رضینا بما رضا" دل را ‌ ‌ ‌ ‌ پئے تحملِ ہر غصہ استوار کنم
گہے بہ پند کہ "دنیا و ما علیہا فان" ‌ ‌ ‌ ‌ بہ نفس جاہ طلب سخت گیر و دار کنم
گہے بقول کہ "حق غالب ست بر ناحق" ‌ ‌ ‌ ‌ امیدِ رحمت و تائیدِ کردگار کنم
گہے بوعدۂ حلم و حیائے عثمانی ‌ ‌ ‌ ‌ تسلیِ دلِ غمگین و سوگوار کنم
خلاصہ ایں کہ بہ تسکینِ خاطرِ ناشاد ‌ ‌ ‌ ‌ فریب بے حد و تزویرِ بے شمار کنم
مگر خیالِ ضعیفان و خرد سالاں را ‌ ‌ ‌ ‌ نہ قادرم کہ بروں از دلِ نزار کنم
بجائے اشک ز چشمم رواں شود خوناب ‌ ‌ ‌ ‌ چو یاد گریۂ طفلانِ بے قرار کنم

ہزار نالہ و فریاد بر لبم آید | چو یاد دردِ ضعیفانِ دل فگار کنم
زغصہ میرم و از درد و غم ہلاک شوم | چو یاد شیونِ یارانِ غمگسار کنم
ہر آنچہ ہست ز خویش و تبار من آنجا ست | چگونہ قطع تعلق ازاں دیار کنم
بملکِ ہند غریبم چو راہرو در راہ | تمام عمر چساں صرف رہگزار کنم
پس از فراقِ چہل سالہ نیست جائے عجب | کہ آں کنار ز من، من ازاں کنار کنم
نہ ہمدمے کہ باو حالِ دل کنم تقریر | نہ منزلے کہ دراں یک دو دم قرار کنم
بجانِ شاہ، کہ در حیرتم، نمی دانم | کجا روم، بکہ سازم، کدام کار کنم
گناہِ خویش ندانم، مگر ز پاسِ ادب | سزد کہ توبہ بسانِ گناہگار کنم
گناہ از من و عفوش ز تو، جز از خدا | دراز گشت سخن بہ کہ اختصار کنم
سروشِ غیب بگوشم سرود، درحق تو | دراز بہر دعا دست رعشہ وار کنم
بفرّ و شوکتِ شاہانہ تا ابد باشی | ہمیں دعاست کہ من بندہ بار بار کنم
خدا کند کہ من اندر چکامۂ دیگر | ادائے تہنیتِ قبضۂ برار کنم

نظم نشان (۴۵)

بہ تشکر اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی بعد واپسی از زیارت
حرمین شریفین مع تبرکات ۱۳۵۳ھ

بسے شکر فضلِ خدا کردہ ایم | کہ امسال فرضے ادا کردہ ایم

مزارِ نبی، خانۂ کعبہ را — زیارت بصدق و صفا کردہ ایم
طوافِ حرم، سعی بین الصفا — ز سر کردہ پا بار ہا کردہ ایم
شب و روز ہمچوں گدایانِ خیل — صدا بر درِ مصطفیٰ کردہ ایم
بہ ہر جا کہ بردند نام رسول — بپا شور صلِ علیٰ کردہ ایم

تو دانی شہا، ایں مبارک سفر — ز نعمت کہ کردی عطا، کردہ ایم
بشکرانۂ ایں عطائے عظیم — بہ ہر جمع مدح و ثنا کردہ ایم
بہ ہر جا کہ گفتند جائے دعا است[۱] — برائے تو آنجا دعا کردہ ایم
چہ اندر حطیم و چہ در ملتزم — پئے تو دعا جا بجا کردہ ایم
چو اہلِ مدینہ[۲] پسِ ہر طعام — پئے منعم خود دعا کردہ ایم
ز تو ہدیۂ صد ہزاراں سلام — حضورِ رسولِ خدا کردہ ایم
پئے نونہالانِ باغِ شہی — مناجات بے انتہا کردہ ایم
پئے ملتے کاں بہ بندِ بلا است — دعا ہائے ردِّ بلا کردہ ایم

[۱] مطوف طواف کرانے میں ہر ایسے مقام کو بتاتے جاتے ہیں جس کی نسبت مروی ہے کہ وہاں دعا کو قبولیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے

[۲] وہ اہل مدینہ جو سرکارِ عالی کی فیاضی اور دریا دلی سے فیض یاب ہیں ہر کھانے کے بعد حضور پُر نور کے لئے نہایت خلوص سے دعا کرتے ہیں

پے دید آیاتِ صنع خدا — نظر سوئے ارض و سما کردہ ایم
کدام آں خطائے کہ از ما نرفت — کجا آں گناہے کہ نا کردہ ایم
نگر جرأت ما کہ با ایں ہمہ — تمنائے عفو خطا کردہ ایم
دراز ست دستانِ فضلت ازل — با ایں مختصر اکتفا کردہ ایم
بہ پیری سخن چوں نگردد جواں — کہ مشقِ سخن از صبا کردہ ایم
مجو شکوۂ محوی زما، زانکہ ما — ہمہ نطق صرفِ دعا کردہ ایم

نظم نشان (۴۶)

بہ تہنیت عید الفطر سنہ ۱۳۴۲ھ

موکبِ بادِ بہاری چو در آمد بچمن — خیمہ گاہِ شہ گل گشت زمین گلشن
سبزہ گسترد بہ ہر زاویہ دیبائے طراز — ابر پاشید بہ ہر گوشہ گہر ہائے عدن
شبنم افشاندہ بہ اشجار، دگر عطر بہار — باد پاشیدہ بہ ازہار، دگر مشک ختن
باز در نشو و نمایند نگارانِ نبات — باز در نقش و نگار اند عروسانِ چمن
دیدۂ نرگس فتاں ہمہ غنج ست و دلال — طرۂ سنبلِ پیچاں ہمہ پیچ ست و شکن
غنچہ چوں تازہ عروساں ہمہ شرم ست و حیا — باد چوں بلہوساں جملہ فریب ست و فتن
نسترن در برِ گلزار چو جسمِ تاباں — لالہ در دامنِ کہسار چو شمع روشن
راست گفتند کہ "الجنس الی الجنس یمیل" — لالہ روید بر لالہ و سمن دوشِ سمن

نغمه پرداز طبیعت که نسیمش نامند   هر سحرگاه بر اشجار نوازد ارغن

به هوای شه عثمان علیؑ آصف جاه   ناصر دولت و دین خسرو اقلیم سخن

آنکه بی یاوریش ملک نگردد آباد   آنکه بی داوریش خلق نباشد ایمن

آنکه بی بخشش او بهره ز عزت نه جاه   آنکه بی پرسش او حاصل علم ست نه فن

حرف او موجب پیرایش ایوان بیان   نطق او باعث آرایش گلزار سخن

نیست رزاق و دهد رزق بیک جمع غفیر   نیست پیغمبر و بر خلق نهد فرض و سنن

ای شرف یافته در دهر به انواع هنر   وی بهم گشته در آفاق به اخلاق حسن

علم را با تو همان ربط زبانست و بیان   فضل را با تو همان نسبت روح ست و بدن

شیوهٔ خوش نگذاری که طریف ست و جدید   رسم بد را نه پسندی که قدیم ست و کهن

حال هر بنده همی پرسی و میداری یاد   الله الله چه لطف ست و چه حفظ و چه فطن

ظالمان را بکشیدی و به بستی بازو   سرکشان را بگرفتی و شکستی گردن

بی نیازی ز تو افسانهٔ لاف ست و گزاف   بی نیاز از تو درین عهد نه مردست نه زن

هست مرهون سخایت چه سپید و چه سیاه   هست ممنون عطایت چه شمال و چه دکن

محوی گوشه نشین نیز تمنا دارد   گوشهٔ چشم عنایت ز خداوند زمن

چشم لطفی که زمینش برسد قافله اش   تا در کعبهٔ مقصود بیک چشم زدن

همره قافله طفلان همه نادیده جهان   رهبر قافله پیران همه سرگشته چو من

وان پی خدمت والای تو بربسته میان   وین پی عرض دعای تو کشاده دامن

شمع اقبالِ تو در بزمِ جہاں روشن باد | تا کند شمع خرد بزمِ جہاں را روشن
دوستانت ہمہ در عیش و طرب ناز و نعیم | دشمنانت ہمہ در درد و بلا رنج و محن

نظم نشان (۴۷)

بہ تہنیت عید قرباں ۱۳۴۲ھ

عید قربانت مبارک اے شہِ صاحبقراں | اے امیر المومنیں وے دستگیرِ بیکساں
اے کہ ذکرِ خیرِ تو بگزشتہ از اقطاعِ ملک | وے کہ نامِ نیکِ تو بگرفتہ اقصائے جہاں
مہرتاب از مہرِ تو ہر ذرۂ خاکِ دکن | فیض یاب از فیضِ تو ہر گوشۂ ہندوستاں
بگزر از ہند و دکن، خوانِ کرم گستردہ | ہر مثال آفتاب از قیرواں تا قیرواں
فضلِ عالمگیرِ تو بیدا اسے ناپیدا کنار | بذل با تدبیرِ تو دریائے ناپیدا کراں
میکنی احساس دردِ خاطرِ ہر دردمند | می رسد تا گوشِ تو فریادِ ہر فریاد خواں
تو نئی آسودہ تن، خلقے ست گر بیخواب و خور | تو نئی آزادہ دل، قومے ست گر بے خانماں
بیکس و بیچارہ ترکاں جا بجا افتادہ اند | خستۂ تیر و تفنگ و زخمیِ نوکِ سناں
بستۂ بندِ جفا، آوارۂ دشتِ ستم | کشتۂ ظلمِ زمیں، پامالِ جورِ آسماں
می کند چارہ گر بذلت، دوائے درد و رنج | میرساند میر سامانِ سخایت، آب و ناں
می زند فراشِ فضلت چادرِ آسودگی | می نہد معمارِ رایت، پایۂ امن و اماں
دست می گیری داز قعرِ فلاکت می کشی | شاہِ ترکاں[1] را چو دشمن می شود دورِ زماں

[1] سلطان سابق عبد المجید خاں کو سرکار آصفیہ سے ایک معقول وظیفہ دیا جاتا ہے

می نویسی در حقش توقیع ادرار مدام | می فرستی جانبِ او این عطائے شائگاں
یاد می ماند بتاریخ جہاں این بذل و جود | تا زترکان ست باقی در جہاں نام و نشاں
زائراں اندر حرم ذکرِ عطایت می کنند | از پسِ تکبیر و تہلیل خدائے انس و جاں
بر فرازِ مکرمت امروز گامے مے زنی | روز دیگر می زنی یک گام بالاتر ازاں
انچہ تو کردی نکردہ ہیچ شہ در عہدِ خویش | انچہ تو دادی ندادہ ہیچ کس در دودماں
دفتر و دیواں بریں دعویٰ گواہِ عادل اند | گر کسے باور نمی دارد ز محویؔ این بیاں
تو بمانی در جہاں تا در جہاں ماند سخن | تا سخن را قدر ماند تا سخن را قدرداں

نظم نشان (۴۸)

در تہنیت عید سعید سنہ ۱۳۴۱ھ

شاہ را روشنگرِ ہر انجمن باید شدن | ہمچو جاں قوّت دہ ہر عضو تن باید شدن
در رسوم داوری چوں آفتابِ نیمروز | بر سرِ اہل جہاں پرتو فگن باید شدن
در تنِ ہر مملکت روح و روان علم ست و فن | پادشہ را سرپرستِ علم و فن باید شدن
باعثِ معموری ہر سلطنت مرد و زن ست | خواجہ را تسکین جانِ مرد و زن باید شدن

۵۱ حرمین شریفین کے خدام اور سادات وغیرہ کی جو امداد ریاست ہذا سے کی جاتی ہے اس کی مقدار تقریباً اٹھائیس ہزار روپیہ ماہوار ہے اور جو رقم مفلس زائروں پر سالانہ صرف ہوتی ہے اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے کم نہیں ہے

در زر و سیم ست مضمر قوتِ قوم و وطن — در پئے تقویتِ قوم و وطن باید شدن

گہ کفایت واجب ست و گہ سخاوت فرضِ عین — جائے چوب خشک و جائے نشترن باید شدن

از عروجِ دین و دانش و ز فروغِ عقل و رائے — صاحب تدبیر چوں شاہ دکن باید شدن

حضرت عثماں علی خاں آنکہ در توصیفِ او — ہر بنِ مو را بجائے خود دہن باید شدن

ملتِ اسلام می گوید بہ آوازِ بلند — ہمچو او دلدادۂ فرض و سنن باید شدن

گر تو خواہی خواجہ بر خلقِ خدا فرماں دہی — خود ترا فرماں پذیرِ ذو المنن باید شدن

گوش بر حکمِ خدائے دو جہاں باید نہاد — رو بسوئے قبلہ بر وجہِ حسن باید شدن

گر تو می جوئی تسلط بر دلِ اسلامیاں — فارغ از اندیشہ ہائے ما و من باید شدن

می نوازی از تکلم ہر کہ و مہ را بہ لطف — خلق را مرہونِ ایں خلقِ حسن باید شدن

بر گلِ خوشبوئے اخلاقِ تو ہر ذی ہوش را — سرخوش و سرشار چوں مرغِ چمن باید شدن

از لبِ نوشین و از شیرینیِ گفتار تو — طوطیانِ ہند را شکر شکن باید شدن

اندریں عہدِ ہمایوں می وزد بادِ بہار — قلزمِ عیش و طرب را موج زن باید شدن

ہر کجا ذکرِ کرامتہائے شاہی می رود
محوی خاموش را گرمِ سخن باید شدن

نظم نشان (۴۹)

بہ تہنیت عید اضحیٰ ۱۳۴۹ھ

زلفِ سیہ نہ بر رخِ خوباں کشیدۂ | مشکیں خطے بصفحۂ قرآں کشیدۂ
روشن زروئے تست جہاں پس چہ حاصل ست | از پردۂ کہ بر رخِ تاباں کشیدۂ
تا دوستدارِ تو نہ شود آشنا بخلق | دستش گرفتی و بہ بیاباں کشیدۂ
بر محضرِ منوّرِ ایجادِ کائنات | طغرائے حسن و عشق بعنواں کشیدۂ
سرباز عشق از مئے دردِ تو سرخوش ست | ایں مے مگر زخونِ شہیداں کشیدۂ
دردے نہادۂ بدل عاشقان و باز | آں درد را بقالبِ درماں کشیدۂ
نزدیک تر ز حبلِ وریدی و ایں عجب | صد نشترِ فراق بشریاں کشیدۂ
جانم فدائے خامۂ نقش آفرینِ تو | نقشے عجب بصورتِ انساں کشیدۂ

زاناں مراد ماست توئی شاہ سرفراز | چوں تو سراز حدیقۂ عرفاں کشیدۂ
اصلاحِ ملک و ملتِ بیضا مرادِ تست | وزبہر ہر دو رنج فراواں کشیدۂ
ہم دست دادۂ بعزیزانِ بے نوا | ہم خارِ غم زپائے غریباں کشیدۂ
خوانِ عطا و مائدۂ بندہ پروری | یکساں برائے گبر و مسلماں کشیدۂ
از لُجّۂ خیال بگاہِ سخنوری | یک دم ہزار گوہرِ غلطاں کشیدۂ

غازه کشیدهٔ برخِ نظم نو به نو — شانه بزلفِ نثرِ پریشاں کشیدهٔ

جائے که نعل می فگنند اسپِ دیگراں — آنجا سمندِ فکر بجولاں کشیدهٔ

مشکل کجاست پیشِ تو درکار، بارہا — امرِ محال در حدِ امکاں کشیدهٔ

پیداست چار سو اثرِ نشّهٔ کمال — از بادہ ہائے فکر کہ پنہاں کشیدهٔ

دانی تباہ کاریِ جہل و بہائے علم — چوں ہر دو را بکفّهٔ میزاں کشیدهٔ

دستِ عطا و جود، پئے نشرِ علم و فضل — بردی تہی بجیبِ زر افشاں کشیدهٔ

شاہا، بہ سرپرستیِ تالیف[1] و ترجمه — نام نکوئے خویش بکیواں کشیدهٔ

تو قدر دانِ علمی و از چار سوئے ملک — جمعے ہنروراںِ ہمه داں کشیدهٔ

خواہد گروہِ بے بصراں رائگاں دہد — دُرہائے بے بہا کہ زعمّاں کشیدهٔ

خواہد بآفتاب مذلّت کند دوچار — آں را که زیرِ سایهٔ داماں کشیدهٔ

راضی مشو که چنگلِ چنگیزیاں رسد — آنجا که خوانِ حکمتِ یوناں کشیدهٔ

ثانیِ ہزار سال که تعلیم گاہِ عام — در چار سوئے ملک ہزاراں کشیدهٔ

مدحِ تو منحصر نه بخیلِ سخنوراں ست — از ہر گروه و زمره ثناخواں کشیدهٔ

محوی نوائے نغمهٔ تو دل نشینِ ماست

ہرچند ایں ترانه پریشاں کشیدهٔ

[1] اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی مدظلہ العالی کے بے شمار کارناموں میں دارالترجمہ و تالیف کا قیام ایک بڑا کارنامہ ہے جس کی شہرت تمام ممالک اسلامی میں پھیلی ہوئی ہے

نظم نشان (۵۰)

تہنیت و تاریخ جلوس میمنت مانوس اعلیٰ حضرت کہ ذریعہ مدار المہام وقت در آئینہ گزرانیدہ شد

ہزاراں تہنیت از مارساں و رحضرت آصف ― ترا در بزم سلطانی اگر باد صبا راہ است
اگر پرسند از تو سالِ جشنِ مسند آرائی ― بگو خود یادگار جشن نام نیکوے شاہ است

یعنی

"نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ"[له]

۱۹۱۱ء

ازایں پیدا است کز روز ازل شاہ قدر قدرت ― خداوندِ سریر و تاج و طبل و مسند و گاہ است
زہے خود داری و نام نیکو و غیرت شاہی ― کہ تاریخ ہم از منتِ اغیار اکراہ است

بہ قانون فرنگی زاں کشید ایں نغمہ را محوی
کہ جشن شاہ[له] ہم آہنگ با جشن شہنشاہ است

له یہ عبارت اس بحر میں آجاتی ہے مگر متوالی اور لا حاصل اضافتوں کی وجہ سے میں نے بجائے شعر کے اس طرح لکھنا زیادہ تر مناسب تصور کیا

له اسی سال انگلستان کے بادشاہ جارج پنجم کی تخت نشینی ہوئی تھی

متفرق قطعات و رباعیات وغیرہ

قطعہ

سرم[1] زعزت اصلاح شاہ ذرّہ نواز — بلند گشت و برفعت ز آسماں بگزشت
ضیائے زہرہ و تنظیم عقد پرویں یافت — چو نظمِ من ز نگاہِ خدائگاں بگزشت
نواخت شاہ بشاگردیم در آخرِ عمر — ہزار حیف بعمرے کہ رائگاں بگزشت
چو ایں عطیۂ عظمیٰ نصیب شد محویؔ — مگو کہ عہدِ عروجِ سخنوراں بگزشت

قطعہ تاریخ مکان نو کہ بحکم اعلیٰ حضرت قریب نذری باغ تعمیر شدہ بود

بحکم حضرت عثماں علی، خدیو دکن — کہ تازہ از دم او باغ دانش و دیں ست
کشیدہ اند برنگے نگار ایں تعمیر — کہ سال فصل ہویدا ز "باغِ رنگیں" ست
۱۳۳۳ف

قطعہ تاریخ تولد عالی جناب شہزادہ نواب میر برکت علی مکرم جاہ بہادر طول عمرہٗ

یک ہزار و سہ صد و چل و سہ بُد — سال فصلی باعتبار دکن
۱۳۴۳ف
بود آدینہ، اوّلِ آذر — کہ گلِ نو شگفت در گلشن
یعنی آمد بروں ز پردۂ غیب — شاہدے گلعذار، غنچہ دہن
داد فرزند، خالقِ عالم — بہ ولی عہد پادشاہِ دکن
شد خطابش ز شہ مکرم جاہ — فال نیک ست بہر اہل وطن
ہست پیدا ز لوح ناصیہ اش — صولتِ حیدری و خُلقِ حسن

---

[1] اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے براہ الطاف خداوندی میری ایک نظم میں بعض الفاظ کے ردّ و بدل کا مشورہ عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ میں نے ان کو بدل دیا اور اس سے وہ اشعار پہلے سے زیادہ تر بہتر اور چسپت ہو گئے۔ اسی موقع پر یہ قطعہ لکھا گیا تھا

قرۃ العین مادر و پدر ست | راحتِ جان پادشاہِ زمن
نہ فقط آسیا کہ یورپ ہم | شد ز فرتاب نامِ او روشن
مولد او ست "نیس" ملکِ فرنگ | کہ نشاں می دہد زباغِ عدن
می زند گل بہ گل دم از تبریک | تہنیت خواں ست ہم چمن بچمن
می وزد در چمن نسیم بہار | می دہد باد بوئے مشکِ ختن
رخت بربست غم ز خاطرِ خلق | جانِ شد عیش و نشاط را مسکن
یا رب عمرش دراز باد بدہر | بہ طفیلِ شہِ حجاز وطن

تاریخ ورود شہزادہ موصوف از دیار فرنگ بحیدر آباد (دکن)

میر برکت علی مکرّم جاہ | نونہالِ ریاضِ شاہِ دکن
للہ الحمد زیر سایۂ شاہ | گشت رونق فزائے باغِ وطن
از قدومش کہ نیز تاریخ ست | "دل و جاں شاد چشم و جاں روشن"

۱۳۵۲ھ

برائے عید اضحی ۱۳۴۱ھ از پیش گاہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی ایما رفتہ بود کہ بجائے قصائد، قطعات یا رباعیات پیش شوند بامتثال امر ایں چند قطعات گزرانیدہ شد

قطعہ

عید ست و بہار ست و نشاط ست و سرور ست | تا چشم کنی وا ہمہ نور ست و ظہور ست
ہم دیدہ ورانند پئے دید ہمہ چشم | ہم منظرِ انوارِ الٰہی بحضور ست

دیگر

جہاں ست پر ز نوائے عیدِ پادشاہانیست — صفا و صدق مگو مروہ و صفا نیست
بیار ہدیۂ تسکیں بیا بہ کعبۂ دل — کہ بر زمیں ست اگر خانۂ خدا نیست

دیگر

برائے ماہمہ عیدے بہ از لقائے تو نیست — صدائے خیلِ غریباں بجز دعائے تو نیست
مناز محوی ناداں بہ یک دو بیتِ ثنا — کہ پادشاہِ ترا حاجتِ ثنائے تو نیست

دیگر

فلک بکامِ تو بادا جہاں بہ رائے تو باد — قدر معاون و توفیق رہنمائے تو باد
بقائے رونقِ دیں از کفِ کشادۂ تست — زبان بستۂ اسلام در دعائے تو باد

دیگر

چار اوصاف بود لازمۂ خدمتِ شاہ — بخت و برنائی و کار آگہی و دانائی
محوی پیر جز اخلاص ندارد وصفے — در حقش شاہ جواں بخت چہ می فرمائی

دیگر

خالی از نغمۂ مدحِ تو مرا گوش مباد — نطقم از ذکر کرمہائے تو خاموش مباد
گر تو ہم قسمتِ ہر بندہ دہی در شبِ قدر — قسمتِ محوی بیچارہ فراموش مباد

قطعہ تاریخ ازدواج اعلیٰ حضرت با حضرت مظہر النسا بیگم صاحبہ دختر خرد امام جنگ مرحوم

دوشیزۂ بشاہ چو گوہر سپردہ اند | بر رسم دیں عروس بشوہر سپردہ اند
تاریخِ ازدواج ز محوی شنو کہ گفت | "نوشابہ را بلطف سکندر سپردہ اند"

۱۳۴۱ھ

دیگر

منزلِ خورشید چرخِ برتری | گشت روشن چوں ز حسنِ دل فروز
خواند محوی مصرعۂ تاریخِ عقد | "اقترانِ ماہ و مہرِ نیک روز"

۱۳۴۱ھ

قطعہ

ماکہ اخلاص ز سر تا بقدم آمدہ ایم | چند گاہ است کہ در پنجۂ غم آمدہ ایم
از پسِ فرقتِ سہ سالہ ز اطفال و عیال[۱] | باز در سایۂ لطفِ تو بہم آمدہ ایم

قطعہ

چوں دورِ زماں داد مرا عیش بباد | افسردم و شد نشاطِ شعرم از یاد
امسال بجز دعا نگفتم شعرے | بر قولِ عرب کہ در نشاط ست نشاد[۲]
آنکس کہ ترا شاد نخواہد بجہاں | یا رب بجہاں خرم و دل شاد مباد

---

[۱] بعض حضرات کی سعایت سے میرے تین سال بے حد پریشانی اور پراگندگی میں گزرے۔ کبھی ایسا ہوا کہ بال بچے یہاں تھے اور مجھے لکھنؤ میں رہنا پڑا اور کبھی وہ لوگ وہاں رہے اور میں حیدرآباد آگیا۔ تقریباً تین سال کی سرگردانی کے بعد ہم لوگ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی کے الطاف شاہانہ سے پھر ایک جگہ جمع ہوسکے۔ اسی موقع پر یہ قطعہ عرض کیا گیا تھا

[۲] عرب کہتے ہیں "النشاد فی النشاط" یعنی شعر کہنا اور سنانا خوشی میں زیبا ہے

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں چھپی